Scanned with CamScanner

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سیّد شاہ محمد باقر قادری

رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

مولانا مولوی ابوصالح عماد الدین سیّد شاہ محمّد ناصر قادری المعروف بہ میراں پاشاہ

رحمۃ اللہ علیہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سیّد شاہ محمّد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجرا:
بروز چہار شنبہ ۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ مطابق 8ر نومبر 2000ء

★ زیرِ نگرانی :

مولانا مولوی ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم اے ؛ پی ایچ ڈی ؛ بی کام ؛ (عثمانیہ)

ادیب فاضل (مدراس) ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور

❀

مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری ادیب فاضل (مدراس) نائب ناظم

دارالعلوم لطیفیہ ۔ ویلور

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

★ زیرِ ادارت :

مولانا مولوی پی ۔ محمد ابوبکر ملیباری لطیفی قادری ۔ مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم اے ۔ مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

✣ ✣ ✣ ✣ ✣

★ نمائندگانِ طلباء :

۱	حافظ مولوی کے ۔ اے ۔ عمر علی	مینگلور	کرناٹکا
۲	حافظ عبد السلام	ویلور	تملناڈو
۳	سید مشتاق پیر	میسور	کرناٹکا
۴	ایم ۔ اے ۔ محمد خالد	ویلور	تملناڈو
۵	حافظ نور محمد	آمبور	تملناڈو
۶	حافظ بابا فخر الدین	کرنول	آندھرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۲۱ھ م ۲۰۰۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ يَا رَجَائِيْ يَا مُنَائِيْ يَا غِيَاثِيْ يَا مُرَادِيْ يَا مُعَافِيْ
يَا شِفَائِيْ يَا كَمَائِيْ كَفِيْ يُحْيِيْ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ
اِغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ يَا اللّٰهُ
يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحْمٰنُ
يَا رَحِيْمُ يَا رَحِيْمُ يَا رَحِيْمُ يَا كَرِيْمُ يَا كَرِيْمُ يَا
كَرِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

پیش کش:

خانقاہ حضرت قطب ویلور

رباعیاتِ امجد

أنت آخذ بناصيتها

کب تک ہے بقائے تن فنا کو معلوم
کب تک ہے یہ زندگی قضا کو معلوم
ہر سانس یہ کہہ رہی ہے جاتے جاتے
جاتی تو ہوں واپسی خدا کو معلوم

یا للعجب

دریا لہرا کے اک بھنور میں آیا
تو ارض و سما کا چشم تر میں آیا
جو عقل میں آج تک نہ آیا تھا کبھی
اللہ اللہ میرے گھر میں آیا

ان مع العسر یُسرا

دل کی ہر اک خلش نکل جاتی ہے
آتی ہے اگر بلا، تو ٹل جاتی ہے
سختی سے حوادث کے نہ گھبرا امجدؔ
یہ برف کوئی دم میں پگھل جاتی ہے

سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی الانفس

خود اپنی ہی ذات سے محبت کیجیے
جتنا ممکن ہو اپنی عزت کیجیے
مجموعۂ آیاتِ الٰہی ہے یہی!
قرآنِ وجود کی تلاوت کیجیے

غزل

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ

حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری علیہ الرحمہ

تجھ لب کی چاشنی کی کئی نیں شکر لذیذ
ہیں تجھ بچن کی شہد نمن شہد تر لذیذ

لب خشک جس کا گرمیٔ دل سوں ہے چشم تر
اس کے مذاقِ شوق ہیں نیں خشک تر لذیذ

اشک سفید ہور رُخِ زرد کا مزہ
پاتیوں پرت کی ذوق ہیں نیں سیم و زر لذیذ

معشوق کے پرم سنی کیا پائے گا مزہ!
عاشق کے کام جان ہے لذّت گر لذیذ

راحت طلب ہے اہلِ ہوس اہلِ عشق رنج
آرام کیا ہے اس کوں جسے ہے تبر لذیذ

دیکھیا جنے او سردِ کمربستہ یار کا
اس کی نظر ہیں کان سوں دسے نیشکر لذیذ

یک ذات جلوہ گر کے یو ذرّات عکس ہیں
عاشق کی ہے نظر ہیں وہی جلوہ گر لذیذ

ساقی و جام اس کا ہے پئیگا اسے مدام
وحدت کی مئے کا جس کوں ہے قربیؔ اثر لذیذ
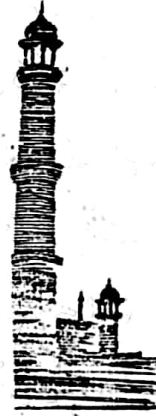
پیشکش

حضرت مولانا

سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری

المعروف بہ ہلال پاشاہ

نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت

قطبِ ویلور
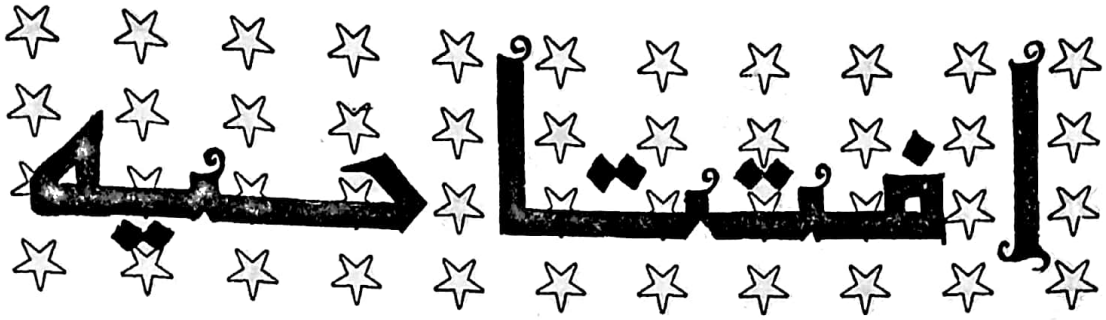
ادارہ

زبانیں، انسان کے مافی الضمیر کی ادائیگی کا سب سے زیادہ مؤثر اور طاقت ور ذریعہ اور وسیلہ ہیں ہر شخص ان ہی کی مدد اور سہارے سے اپنے جذبات واحساسات خواہشات، خیالات، نظریات وتصوّرات اور ضروریات وحاجات دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ انسانی تاریخ کے طول طویل دور میں کتنی زبانیں اُبھریں اور کتنی زبانیں دم توڑدیں اور کتنی زبانوں کے نقوش واثرات آج تک بھی باقی رہ گئے ہیں۔ ان تمام باتوں اور ان کے متعلقات کا کما حقہٗ صحیح جائزہ لینا کسی محقق اور مؤرخ کے بس کی بات نہیں۔ مختلف ومتعدد اور بے شمار زبانوں کا وجود اور ہر زبان کے لب ولہجہ کا اختلاف اور صوتی آہنگ اور شیرینی ولطافت خالقِ کائنات کی قدرت وطاقت کا زندہ اور جیتا اور جاگتا نمونہ ہے۔ ان فی ذٰلک لآیٰت للعٰلمین زبانوں کا تنوع اور وسعت اور ان کی آفاقیت، قوموں اور ملکوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں ممدو معاون ثابت ہوا کرتی ہے اور ان ہی زبانوں کی وساطت سے دنیا کی قومیں ایک دوسرے کی تہذیب وثقافت کلچر وادب، فکر ونظر، مذہب ومسلک اور حرکت وعمل سے استفادہ حاصل کرتی ہیں۔ اگر زبانوں کا رشتہ مخصوص قوموں کے ساتھ جوڑ کر ان سے بُعد واجنبیت اور غیریت کا مظاہرہ کیا جائے تو یہ ایک ایسا عظیم علمی ادبی، اخلاقی، تہذیبی، ثقافتی اور اقتصادی نقصان اور خسارہ ہوگا۔ جس کے اثرات ساری انسانی برادری پر مرتب ہوں گے۔ کوئی بھی زبان کسی ایک قوم کی میراث نہیں ہوتی کہ دوسری قومیں ان کی زبان اور اوران کی زبانی اثاثہ سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ زبانیں قوموں کی مشترک پونجی اور سرمایہ ہوا کرتی ہیں جن سے استفادہ کا حق سارے انسانوں کو حاصل ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بے شمار زبانیں رائج ہیں اور ہر صوبہ کی زبان الگ الگ ہے۔ لیکن ملک کی طول وعرض میں کہیں زیادہ اور کہیں کم بولی اور سمجھی جانے والی زبان اردو ہے۔ اس نے سرزمینِ ہند پر اپنی آنکھیں کھولیں اور یہیں پھلی پھولی اور جوان ہوی۔ اور بلا مذہب وملّت یہاں کے باشندوں نے اس کے حسن وجمال کو سنوارا، نکھارا

اور حسین وجمیل روپ بخشا۔ آج یہ ہندوستان کے کسی ایک فرقہ کی زبان نہیں ہے۔ بلکہ یہاں بسنے والے تمام ہندوستانیوں کی زبان ہے اور تمام صوبوں اور ریاستوں میں رابطہ زبان کی حیثیت و صلاحیت رکھتی ہے اور بعض صوبوں کی سرکاری زبان ہے اور اکثر و بیشتر مسلمانوں کی مادری زبان ہے اور ہندوستان کی ایک علمی و ادبی، تہذیبی و ثقافتی، معاشرتی و تمدنی اور تاریخی زبان ہے۔

اس زبان کی نشوونما، نشرواشاعت اور عروج وترقی میں مسلمانوں کا حصّہ سب سے زیادہ رہا جس کے باعث اس کا دامن اسلامیات کے آبدار موتیوں سے بھر گیا۔ اردو زبان کو سب سے پہلے صوفیائے کرام نے اپنے گلے لگایا اور اس کے ذریعہ انسانیت کی تعلیم اور پیغام کو عام کیا اور اسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت اور دعوت وتبلیغ کے لئے اردو زبان کو پسند اور اختیار کیا۔ جو عوامی سطح پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ حضرات صوفیاء کی نظر عنایت اور نگاہِ التفات تھی کہ یہ زبان کوچہ و بازار سے نکل کر علم وادب کی دنیا میں قدم رکھی اور ترقی کی منزلیں طے کرتی چلی گئی۔

صوفیوں کے علاوہ مسلم اور غیر مسلم شخصیتوں انجمنوں، اداروں اور اسلامی وغیر اسلامی درسگاہوں نے بھی اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اردو ادب کی ترقی میں حصّہ لیا۔ اس مقام پر سلسلۂ اقطاب ویلور کے صوفیوں اور دارالعلوم لطیفیہ کی فیض یافتہ شخصیتوں کی اردو خدمات کا ایک ہلکا پھلکا اور مختصر ترین جائزہ اور تعارف پیش کیا جارہا ہے تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ اردو زبان کی ترقی میں دارالعلوم لطیفیہ کے اکابرین اور اس کے فارغین کا کردار کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

سلسلۂ اقطاب ویلور کے پہلے بزرگ۔ حضرت قربیؔ ویلوری علیہ الرحمہ ہیں۔ جن کی ذاتِ گرامی سے ٹمل ناڈو میں دبستانِ اردو وجود میں آیا اور اُن کی شاعری سے اس علاقہ میں اردو شاعری کو فروغ حاصل ہوا اور اُن کے دیوان کے بعد ہی دواوین کی تدوین وترتیب اور اشاعت کا سلسلہ چل پڑا۔ اردو شاعری میں آپ کا ایک دیوان اور چار کتابیں موجود ہیں۔ اردو دیوان خود آپ نے اپنی زندگی میں ۱۱۵۱ھ مطابق 1740ء میں مرتب کیا جسے پروفیسر سید فضل اللہ نے ایک مبسوط اور مفصل مقدمہ کے ساتھ 1964ء میں حیدرآباد سے شائع کیا۔

حضرت قربیؔ کی اردو شاعری کی لسانی، ادبی، فنی اور تاریخی حیثیت ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ آپ کا کلام آج سے ڈھائی سو سال قبل کی اردو کا محافظ ہے۔ جس میں قدیم دکنی لفظوں پرانے محاوروں اور صرف ونحو کی ترکیبوں کا ایسا غیر معمولی سرمایہ ہے جو اردو زبان وادب کا تحقیقی

اور لسانی مطالعہ کرنے والوں کے لئے اس میں ایک مفید پہلو ہے۔

۱۔ معراج نامہ : ڈیڑھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک ہی نسخہ اسٹیٹ لائبریری مخطوطہ ۱۸۰ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

۲۔ بدعت نامہ : بدعات و خرافات کی مذمت سے متعلق ہے۔ چار سو ابیات پر مشتمل ایک مثنوی ہے۔

۳۔ ھدایت نامہ: یہ رسالہ سنّت کی فضیلت اور اس کی ترویج و اشاعت سے متعلق ہے جس میں ایک سو ابیات ہیں۔

۴۔ نمک نامہ : تصوّف کے موضوع پر ہے اور یہ اکسٹھ ابیات پر مشتمل ہے۔

حضرت ذوقی جو شعر و ادب کی دنیا میں غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں۔ جن کی نوکِ قلم سے تین لاکھ سے زائد اشعار اور تقریباً ساٹھ تصانیف وجود پذیر ہوئیں۔ صاحبِ "مطلع النور" فرماتے ہیں:

ان کے ابیات نظم و نثر تمام!
تین لک سے زیادہ ہیں اے ہمام
اور تصانیف اس کے در تعداد
ساٹھ سے بھی زیادہ ہیں رکھ یاد[۱]

اردو زبان میں آپ کی دو مثنویاں اور ایک قصیدہ موجود ہے۔

۱۔ عقائدِ ذوقی : ایک سو ابیات پر مشتمل ہے جس میں قرآن و حدیث اور علم کلام کی روشنی میں عقائد اہلِ سنّت و جماعت کو نظم کیا گیا ہے۔

۲۔ غوث نامہ : یہ کتاب پانچ سو ابیات پر مشتمل ہے جس میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے فضائل اور مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

۳۔ حضرت ذوقی کی تیسری تخلیق ایک قصیدہ ہے جو تریسٹھ شعر پر پھیلا ہوا ہے۔ جس میں انھوں نے حضرت قربی کے اوصاف و کمالات بیان کیا ہے۔ یہ مکمل قصیدہ ماہ نامہ "سب رس" حیدرآباد ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔

ڈاکٹر افضل الدین اقبال ایم اے، پی ایچ ڈی، لکھتے ہیں:

"حضرتِ ذوقی کا جو بھی اردو کلام دستیاب ہوا ہے۔ اس سے آپ کی قادر الکلامی مضمون آفرینی جدتِ طبع اور تخیل کی بلندی آشکار ہے۔ اس کے علاوہ کلام میں سلاست اور روانی بہت نمایاں ہے۔ آپ قدیم اردو کے ایک خوش گو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کی مختصر سی شعری تصانیف دکنی زبان و ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہیں۔"

حضرت محوی ویلوری نے بھی اردو زبان میں متعدد رسالے لکھا ہے۔ جن میں تصوّف کے مسائل بیان کیا ہے۔

---

[۱] مثنوی مطلع النور : ص ۱۲ : مولانا شاہ عبد الحی بنگلوری

۱۔ رسالۂ تفصیل المراتب فی اطوار المراتب۔
۲۔ رسالۂ ذکر۔
۳۔ رسالۂ نفسِ رحمانی۔
۴۔ رسالۂ معرفت۔
۵۔ رسالۂ عالمِ ارواح۔
۶۔ رسالۂ عالمِ مثال۔
۷۔ رسالۂ اسمائے ربوبی الٰہی۔
۸۔ رسالۂ ذکرِ وجود و مراتبِ وجود۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں:

"حضرت محوی نے بہت سی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان کی تصانیف قدیم اردو ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہے۔ ان کی اشاعت سے قدیم اردو نثر کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ ہوگا"[۹]

حضرت قطب ویلور علیہ الرحمہ نے اپنا علمی و دعوتی مشن، درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف اور فتاویٰ نویسی کا کام اردو میں بھی جاری رکھا۔ مولانا عبدالغفار مسکین فرماتے ہیں

"ہمارے قطب الہند اشراق پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتے، پھر مکان میں داخل ہوتے اور مسافروں کے آرام، مریدوں کی آسائش اور طلباء کے خورد و نوش کا سامان مہیا فرما کر مدرسہ میں آتے اور تفسیر و حدیث کا درس بارہ بجے تک دیا کرتے تھے۔ اگر فتاویٰ ہوتے تو ان کے جواب تحریر فرماتے اور ظہر کے بعد مریدوں اور مسترشدوں کی تعلیم و تفہیم میں مصروف رہا کرتے اور ہفتہ میں دو مرتبہ مدرسہ کے اندر وعظ فرمایا کرتے تھے"[۱۰]

مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی فرماتے ہیں

"آپ ہر روز عصر کی نماز پڑھ کر بالاخانے پر جلوہ افروز ہوتے۔ گرد و پیش بندگانِ خدا جمع رہتے۔ پند و نصائح اور ارشاد میں مغرب تک دربارِ عام فرماتے۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تفسیر بیان فرماتے، اور یہ سلسلہ نمازِ عشاء تک جاری رہتا"[۱۱]

مولانا سید شاہ محمد قادری فرماتے ہیں:

"آپ مردوں میں ہر جمعہ اور عورتوں میں ہر سہ شنبہ وعظ فرماتے تھے"[۱۲]

حضرت قطب ویلور کی اردو میں سات تصانیف کا سراغ لگ سکا ہے۔

۱۔ خلاصۃ العلوم: خود شناسی، خدا شناسی، دُنیا شناسی اور آخرت شناسی پر مفید اور بہترین رسالہ ہے۔

---

[۹] حضرت ذوقی حیات و خدمات: ڈاکٹر افضل اقبال بحوالہ "اللطیف" ۱۴۰۴ھ
،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

[۱۰] حیاتِ مسکین۔
[۱۱] مقالاتِ طریقت۔
[۱۲] ضمیمۂ جواہر السلوک

۲۔ شفاعت بالاذن: قرآن وحدیث اور عقائد کی کتابوں سے مسئلہ شفاعت کی تفصیل بیان کی ہے۔

۳۔ احیاء السنۃ: سنت کے احیاء اور اس کی اشاعت پر بے حد مفید رسالہ ہے۔

۴۔ احیاء التوحید: مسئلہ توحید پر مدلل علمی تصنیف ہے۔

۵۔ فتویٰ آثار شریف: آثار نبوی سے متعلق ایک پُراز معلومات فتویٰ ہے۔

۶۔ رسالۂ فطرہ: فطرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

۷۔ تنبیہہ الجاہلین: عوام کی دینی بے اعتدالیوں اور بدعتوں پر تنبیہہ اور تاکید کی گئی ہے۔

شمس العلماء مولانا سید رکن الدین قادری سے اردو میں کوئی تصنیفی کارنامہ ظہور پذیر تو نہیں ہوا۔ لیکن ان کے ہاتھوں مدرسۂ لطیفیہ کی تشکیل جدید ہوی۔ جس سے اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک نئی شاہ راہ متعین ہوی۔ جس پر آپ کی اولاد امجاد گامزن رہی۔ آپ کے پوتے حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے طلباء کے اندر تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے خیال سے انجمن دائرۃ المعارف قائم کی اور اساتذہ کرام کی صدارت میں ہفتہ واری جلسوں کا نظم ونسق قائم کیا اور ہر طالب علم کو اردو زبان میں کسی ایک مخصوص ومقررہ عنوان پر تقریر کرنے کا مکلف ٹھہرایا۔ اور سالنامہ اللطیف کا اجرا کیا۔ جس میں اساتذہ اور طلباء کو مضمون تحریر کرنے کی ترغیب وتحریص دلائی اور یہ اللطیف آج بھی جاری ہے۔ آپ نے دار التصنیف والاشاعت نامی ایک ادارہ قائم فرمایا اور کئی ایک کتابوں کی اشاعت فرمائی۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ مجموعۂ رسائل قربی۔
۲۔ میزان العقائد۔
۳۔ انشاء عقائد ذوقی۔
۴۔ بیعت غائب وحاضر۔
۵۔ خانوادہ اقطابِ ویلور۔
۶۔ انوارِ اقطابِ ویلور۔
۷۔ ترجمۂ جواہر السلوک۔

حضرت ابوالحسن کی مساعی جمیلہ کے باعث دارالعلوم لطیفیہ کے اکثر فارغین اردو زبان کے بہترین انشاء پرداز، شاعر، مصنف اور خطیب بن کر ابھرے جن سے خدمات کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

حضرت مولانا ابومحمد سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشاہ ایم اے، ناظم دارالعلوم اور حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد شطاری قادری

نائب ناظم دارالعلوم نے بھی اپنے اکابرین کی طرح علمی وادبی خدمات کا سلسلہ برقرار رکھا ہے ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے اقطابِ ویلور اور اُن کے خلفاء کی علمی وادبی خدمات کے موضوع پر جناب ڈاکٹر سیّد صفی اللہ صاحب سابق پروفیسر شعبۂ اردو، مدراس یونیورسٹی و ڈپٹی چیرمین ٹمل ناڈو اردو اکیڈیمی کی سرپرستی میں مقالہ لکھا ہے جس پر عنقریب موصوف کو ڈاکٹری کی سند تفویض کی جائے گی۔

سالنامہ اللطیف کی اشاعت کا سلسلہ برقرار ہے اور اس کے علاوہ "نقوشِ طاہر" نامی ایک کتاب بھی شائع ہوچکی ہے۔ اور بھی کئی کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ پیشِ نظر ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ کے فارغین کی اردو خدمات کا باب بے حد وسیع ہے۔ جن میں سے چند فضلاء مثلاً ا۔ مولانا شاہ عبدالحی بنگلوری (۲) مولانا شاہ عبدالغفار مسکین بخاری مدراسی (۳) مولانا سید شاہ شہاب الدین شہاب ویلوری (۴) مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری (۵) مولانا محمد قلندر حسین اطہر بنگلوری (۶) مولانا قاضی محمد عبداللہ حسین خلیل بنگلوری (۷) مولانا مفتی سید عبدالعلام علام ویلوری (۸) سید شاہ درویش پیر قادری درویش (۹) سید شاہ حسین قادری المعروف اسد پیراں قادری میسوری وغیرہ کی دینی وعلمی اور ادبی خدمات بڑی وقعت رکھتی ہیں۔

دارالعلوم لطیفیہ کی نشاۃِ ثانیہ کے موجودہ دور میں بھی بہت سارے فارغ علماء اردو زبان کے بہترین ادیب و مصنف اور شاعر بن کر ابھرے۔ یہاں صرف دو تین حضرات کا مختصر ذکر کیا جارہا ہے۔ ان میں علاّمہ شاکرؔ نائطی بھی ہیں۔ جن کے کلام کا متعدبہ حصّہ جناب علیم صبا نویدی نے اپنی معرکۃ الآرا تاریخی وعلمی تصنیف "ٹمل ناڈو میں اردو" میں نقل کیا ہے۔ ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

"علاّمہ شاکرؔ نائطی کی شخصیت اور ان کی ادبی خدمات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ایک فرد نہیں ایک ادارہ تھے۔ یہ ایک کلیشے CLICHE نہیں ناقابلِ تردید حقیقت ہے بیسویں صدی میں یہاں اردو شاعری کا افتتاح شاطرؔ مدراسی نے اپنے قصیدۂ "اعجازِ عشق" سے کیا اور ملک بھر کے اکابرین علم وادب سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ شاطرؔ کے بعد جس ہستی نے تامل ناڈو کو ایک بار پھر شعر وادب کے نقشے میں تیکھے نقوش کے ساتھ اُبھارا وہ علاّمہ شاکرؔ نائطی ہیں۔"

علاّمہ شاکرؔ نائطی نے دارالسلام عمرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہاں کے فارغ علماء و فضلاء پر آپ کا گہرا اثر مرتب ہوا اور بے شمار طلباء کے اندر آپ نے ادبی مذاق پیدا فرمایا۔ عمرآباد سے ۱۹۳۵ء سے ماہ نامہ "مصحف" نامی ایک علمی و ادبی جریدہ شائع کیا جو تقریباً چھ سال تک اشاعت پذیر رہا۔

مولانا ابوالمکارم سید شاہ مصطفےٰ احسین بخاری لطیفی کڈپوی چیرمن مدینۃ انجنئرنگ کالج کڈپہ، بھی ایک اچھے مصنف اور مترجم ہیں اور اچھا شعری ذوق رکھتے ہیں۔ اور بہت ہی کم گو شاعر ہیں۔ چند نعتیہ شعر آپ کے قلم سے صدور پذیر ہوئے ہیں۔ ایک نعت شریف کا مقطع ہے: ~

لے ہم بھی کشفی نیاز عقیدت
محمدؐ کے روضے پہ آئے ہوئے ہیں

اور آپ کے بہت سارے علمی و ادبی اور مذہبی مضامین سالنامۂ اللطیف کی زینت بن چکے ہیں اور ایک طویل مدّت تک سالنامہ کی ادارت سنبھالی۔ آپ کی تربیت کے باعث بہت سے شعراء ادباء نکلے آپ نے حضرت قطب ویلور کی فارسی تصنیف "جواہر السلوک" کا ترجمہ کیا ہے جو ایک عظیم علمی اور عرفانی خدمت ہے۔ لیکن ہنوز یہ ترجمہ مکمل کتابی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ نما نہیں ہوا ہے۔

بحمد اللہ راقم الحروف کے قلم سے درجن سے زائد تصانیف اور عربی و فارسی کی مختلف کتابوں کے ترجمے نکلے اور شائع ہو چکے ہیں۔ تصانیف میں سے چند کے نام یہ ہیں:

(۱) توسلِ نبوی کی شرعی حیثیت۔ ۲۔ رحمۃ للعالمین۔ ۳۔ تفسیر سورۃ المزمّل۔ ۴۔ رضوان الصحابہ۔ ۵۔ صحابہ سے متعلق اہلِ سنّت و جماعت کے عقائد۔ ۶۔ الروح فی الاسلام۔ ۷۔ بدعت کی شرعی حیثیت۔ ۸۔ کیا مرنے کے بعد استفادہ و افادہ ممکن ہے۔ ۹۔ شراب اور اسلامی موقف۔

تراجم میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ فصل الخطاب بین الخطاء و الصواب
۲۔ غایۃ التحقیق۔ ۳۔ چہل حدیث۔ ۴۔ مکتوباتِ لطیفی۔ ۵۔ انشاء لطف الٰہی۔ ۶۔ خلاصۃ تاریخ التشریع الاسلامی۔

افضل العلماء مولانا پی۔ محمد ابوبکر ملیباری لطیفی اردو ادب کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ آپ کے قلم سے متعدد مضامین صدور پذیر ہوئے اور اللطیف کی زینت بن چکے ہیں۔ آپ کے اندر شعری ذوق بھی رچا ہوا ہے۔ قمری تخلص فرماتے ہیں۔ لیکن آپ کی شاعری ابھی تک مراثی اور تہنیت ناموں کی حدود سے باہر نہیں نکلی ہے۔ آپ کا وقیع علمی کام حضرت مولانا شاہ حیدر ولی اللہ کی فارسی تصنیف "خوارقِ حیدریہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ سالنامۂ اللطیف کی ترتیب و ادارت میں راقم الحروف کے شریک و سہیم ہیں۔

افضل العلماء مولانا شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی قادری لطیفی ایم، اے، اردو ادب سے

صدا کا حاشیہ:۔ "تمل ناڈو میں اردو" جناب علیم صبا نویدی۔

خاصا تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے کئی موضوعات پر مضامین
لکھے ہیں جو اللطیف میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کا خاص
میدان قضاۃ اور افتاء ہے۔ آپ نے مختلف مسائل پر
کئی ایک فتاویٰ تحریر فرمایا ہے۔ اگر ان فتووں ہی کو
آپ کی یادگار تصنیف قرار دیا جائے تو غلط نہ
ہوگا۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ دارالعلوم لطیفیہ
کے بعض علمائے فضلا ایسے بھی ہیں جن سے تحریر کا
سلسلہ جاری ہے اور بعض فارغین مولوی شاہ
محمد کمال اللہ ظہوری لطیفی گورنمنٹ قاضی ضلع چتور
مولوی کے ایم۔ شاکر اللہ لطیفی، مولوی حافظ محمد
ابراہیم لطیفی ادھونی، مولوی عبدالرزاق لطیفی
آمبور، مولوی سید محمد حنیف کلچرلہ، مولوی شیخ
محمد حسین لطیفی مدنپلی، حافظ سید محمد اللہ بختیاری
لطیفی، مولوی احمد حسین لطیفی، مولوی منیر احمد لطیفی
مولوی اللہ بخش لطیفی، سدارام، مولوی محمد حسین شاکر
لطیفی ہنیموری، مولوی سید محبوب باشاہ عیدروس
لطیفی وغیرہ اسکول و کالج میں اردو زبان کے اساتذہ
کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ
محمد طاہر قادری، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی
دور اندیشی اور زمانہ شناسی کے باعث دارالعلوم
لطیفیہ کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے 1965ء میں
ہو گیا اور مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی قادری
لطیفی استاذ دارالعلوم لطیفیہ سنڈیکیٹ ممبر مدراس
یونیورسٹی، کی مساعیٔ جمیلہ سے 1999ء میں
ادیب فاضل جو اردو کا ڈپلوما تھا ڈگری کا اعزاز
بخشا گیا ہے جس سے اردو کے طلباء کے لیے ترقی کی
کی ایک راہ سامنے آئی۔

غرض سلسلۂ اقطاب ویلور کے اصفیاء
اور دارالعلوم لطیفیہ کے علماء سے جو علمی و دینی
خدمات ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں وہ بالواسطہ اردو
زبان کی ایک اہم خدمت ہے۔ جیسے اردو زبان و
ادب کی تاریخ سے خارج تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

اس مقام پر کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا
ہو سکتا ہے کہ عربی و اسلامی درس گاہوں کا منشأ
اور مقصد عربی و اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و
اشاعت اور اسلام کے لیے افراد سازی کی خدمت
ہے۔ بھلا اردو زبان و ادب کی خدمت سے ان دینی
درس گاہوں اور مدرسوں کا کیا تعلق ہے؟ تو ہم
یہ عرض کریں گے کہ اردو زبان و ادب ان درس گاہوں
کے بنیادی مقصد کے خانہ میں نہ سہی لیکن کیا یہ
حقیقت نہیں ہے کہ ان درس گاہوں کے ذریعہ
اردو کو زندگی مل رہی ہے اور ان کے کوکھ سے اردو
کے ایسے ایسے بلند پایہ شاعر و ادیب اور مصنف و
محقق پیدا ہو رہے ہیں جو خالص اردو اداروں
کے ساختہ و پرداختہ افراد کے مقابلہ میں اردو
ادب قابل اور فائق اشخاص ثابت ہو رہے ہیں اور

ان کی تدریسی، تقریری اور تحریری خدمات کے بدولت اردو ہر طرف پھیل رہی ہے تو کیا یہ دینی درسگاہوں کی اردو خدمت نہیں ہے اور کیا یہ عالم و فاضل شعراء و ادباء اردو کے خدمت گزار نہیں ہیں۔

ٹمل ناڈو میں اردو کے مستقبل کی تابناکی کا ایک اور رُخ روشن اور منور ہو گیا۔ اور پہلی مرتبہ اس صوبہ میں ٹمل ناڈو گورنمنٹ اردو اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے لیے چالیس سال سے جدوجہد ہو رہی تھی۔ بلاشبہ علاقائی حکومت کا یہ قابل صد ستائش اقدام ہے۔ جس کے لیے وہ اردو داں طبقہ کے تشکر یہ کی مستحق ہے۔ راقم الحروف کو اردو اکیڈمی کا ممبر منتخب کئے جانے پر اپنی جانب سے اور اپنے ادارہ دارالعلوم لطیفیہ کی جانب سے عزت مآب وزیر اعلیٰ عالی جناب کروناندھی اور اُن کے معاونین رفقائے کرام کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش ہے اور امیدوار ہوں کہ یہ اکیڈمی متحرک و فعال اور موثر و مثبت کردار کی حامل رہے گی۔ اور ٹمل ناڈو میں اردو کے مسائل حل کرنے والی اور اردو کو زندگی، توانائی، قوت اور وسعت بخشنے والی ثابت ہو گی اس مقام پہ ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج اور نشر و اشاعت کے لیے صرف اکاڈمی کا قیام کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے اہل لسان کو اردو کی زندگی اور بقاء کے لیے حرکت و عمل اور جدوجہد کرنی چاہیے۔

اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک موثر و مفید اور کارآمد طریقۂ کار یہ ہے کہ صباحیہ اور مسائیہ قرآنی مکاتیب کی طرح تمام شہروں کے محلہ محلہ میں اردو مکاتیب قائم کرنا چاہیے تاکہ ہماری نئی نسل عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ان مکاتیب کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی تعلیم حاصل کر سکے۔ اس اقدام کا فائدہ یہ ہوگا کہ اردو زبان و ادب کے ساتھ اسلامی تعلیم و تہذیب اور ثقافت و تمدن بھی پروان چڑھتا رہیگا۔ اور عصر حاضر میں اردو کو علمی و سائنسی زبان کا درجہ دینا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جب اردو کا دامن سائنسی و طبّی اور صنعتی و اقتصادی علوم و فنون سے بھر جائیگا۔ تو ہر کسی کی نظر و توجہ اور اعتناء اردو کی جانب لپکے گی اور یہ حقیقت ہے کہ ضرورت ہمیشہ لائق اعتناء ہوا کرتی ہے اور یہ روشن اور بدیہی بات ہے کہ کسی بھی زبان کی ترقی اخبارات و مجلات اور رسائل و جرائد اور کتابوں کی نشر و اشاعت اور مطالعہ کی وسعت پر منحصر ہے۔ لہذا اہل علم و قلم اور اہل ثروت کے اشتراک اور باہمی تعاون کے ذریعہ علمی، ادبی، مذہبی، اخلاقی، سائنسی، طبّی و سیاحی اور درسی کتابوں اور جریدوں اور اخباروں کی اشاعت وسیع اور ہمہ گیر پیمانہ پہ ہونی چاہیے۔ اور ٹیلی ویژن و انٹرنیٹ اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اردو کی آواز دُور دُور تک پہنچانی چاہیے۔ اس طرح مختلف جہتوں اور سمتوں سے کاروانِ اردو رواں دواں رہے گا۔ تو انشاء اللہ یہ زبان خود بخود پھلتی پھیلتی رہے گی اور اس کی عطر بیز کیف آور انبساط افزا خوشبو سے ایک جہاں معطر ہوگا۔

مرلوی حافظ ابوالنعمان سید الحق مخزن الہ ولوالدیہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زندگی میں صحابۂ کرام کو شریعت کی تعلیم دی اور خود آپ نے بھی ایک عام انسان کی طرح دنیاوی زندگی بسر کی اور اس بات کی عملی تعلیم دی کہ کس طرح حدودِ شریعت میں رہ کر تقاضۂ بشریت اور ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے مسائلِ شریعت و مطالبِ قرآن بھی صحابۂ کرام کو بتلائے۔ ان کے استفسارات کے جواب عطا فرمائے۔ مگر اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دُنیا کو درس دینے والی قوم اپنی مذہبی کتاب کا درس لینے سے کترانی رہی ہے اور والدین اپنے بچّوں کو علومِ دینیہ سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔ جب کہ دُنیا میں ہزاروں مدارسِ اسلامیہ خدا کی امانت کو عوام تک پہنچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین اپنی اولاد کو علومِ دینیہ اور فنونِ مختلفہ سے آراستہ کرکے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائیں اور اولاد کی دُنیا و آخرت بہتر بنائیں۔

آغازِ سالِ نو

ام المدارس دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کا نیا تعلیمی سال اور طلباء کا داخلہ ۱۱ رشوال المکرم ۱۴۲۰ سنہ ھ مطابق ۱۹ رجنوری 2000 سنہ ء سے شروع ہوا۔ حسبِ سابق امسال بھی قدیم و جدید طلباء کا کثیر تعداد میں داخلہ ہوا۔

درسِ بخاری شریف

صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی دونوں جلدیں مولوی عالم کے طلباء کو پڑھائی گئیں۔ اور طلباء نے دورۂ حدیث مکمل کرلیا۔ مورخہ ۲۵ ر شوال المکرم ۱۴۲۰ سنہ ھ مطابق 2 فروری 2000 سنہ ء روز چہارشنبہ دارالعلوم کے وسیع ہال میں فضیلت مآب حضرت مولٰنا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ایم اے، ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ کی دُعاؤں سے درسِ بخاری کا آغاز ہوا۔ اور مورخہ ۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۱ سنہ ھ مطابق 23 راکتوبر 2000 سنہ ء روز دوشنبہ ناظم موصوف کی دعاؤں سے اختتام پذیر ہوا۔

افتتاحی اجلاس

مورخہ ۱۲ ر ذیقعدہ ۱۴۲۰ سنہ ھ مطابق ۱۹ ر فروری 2000 سنہ ء روز ہفتہ، صبح ٹھیک ساڑھے

دس بجے دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع و عریض ہال میں انجمن دائرۃ المعارف کا افتتاحی اجلاس زیرِ صدارت فضیلت مآب حضرت مولٰینا سید شاہ ابو محمد عثمان قادری صاحب ایم' اے؛ ناظم دارالعلوم لطیفیہ منعقد ہوا۔ جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شہر مدراس کے گورنمنٹ قاضیِ عالی جناب مولٰینا مولوی ڈاکٹر صلاح الدین محمد ایوب صاحب ازہری ایم' اے؛ پی' ایچ ڈی؛ مدعو تھے۔ موصوف نے علم و عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو و عربی زبان میں طلباء سے خطاب فرمایا۔ نیز عالی جناب سید بدر عالم صاحب، پرنسپال صدق کالج مدراس نے بھی طلباء سے خطاب فرمایا۔ جس میں دارالعلوم کی اہمیت اور بزرگوں سے عقیدت رکھنے کی فضیلت پر بحث فرمایا۔ اور عالی جناب مولٰینا مولوی شاہ الحمید حسن کبیر لہ نے بھی دارالعلوم سے محبت اور بزرگوں سے افادہ و استفادہ پر بحث فرمایا۔ آخر میں صدرِ موصوف کی دعاؤں کے ساتھ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اسبابِ صحت

طلبائے عزیز کو اوقاتِ تعلیم کے بعد عصر و مغرب کے درمیان اپنی خواہش کے مطابق مختلف گیمس کھیلنے کا موقعہ دیا جاتا ہے تاکہ دماغی تھکن و سستی دور ہو جائے اور تندرست رہیں۔

نویدِ مسرت

مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء ادیبِ فاضل میں شریک ہونے والے طلباء نے سو فیصد شاندار کامیابی حاصل کی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

امتحانات

ہر سال کی طرح ششماہی اور سالانہ امتحانات اساتذۂ کرام کی زیرِ نگرانی ہوئے۔ مورخہ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق یکم ماہِ جولائی سنہ 2000ء سے ششماہی امتحانات شروع ہوئے اور ایک ہفتہ چلتے رہے۔ نیز ۲۹ رجب المرجب سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق 28 ماہِ اکتوبر سنہ 2000ء سے سالانہ امتحانات شروع ہوئے وہ بھی ایک ہفتہ تک جاری رہے۔

عبا پوشی و عطائے اسناد

مورخہ ۱۱ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۲۱ھ مطابق 8 ماہِ نومبر سنہ 2000ء بروز چہارشنبہ دارالعلوم لطیفیہ کے مزین و خوب صورت ہال میں صبح کے ٹھیک دس بجے سالانہ اجلاس اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوا۔ جس کی صدارت فضیلت مآب مولٰینا ابو محمد سید شاہ عثمان قادری صاحب ایم' اے؛ ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے فرمائی۔ جس میں مقامی و بیرونی علمائے کرام اور علم دوست حضرات کثیر تعداد میں مدعو تھے۔ ناظمِ موصوف نے بہ نفسِ نفیس اپنے دستِ فیضِ اقدس سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا

تقسیمِ اسناد

اسی دن شام دوسری نشست میں درسیات، مقالہ نویسی اور گیمس و اسپورٹس میں اوّل و دوم آنے

والے طلباء کو اور ان عہدیداروں کو جو سال بھر اپنی عمدہ خدمات کو پیش کیا تھا۔ قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

ھدیۂ تشکّر

ادارہ ان تمام اطبّاء و حکماء کا شکر گزار ہے جو وقتاً فوقتاً طلباء کی صحت و تندرستی کا خیال کرتے ہوئے اپنی خدمات پیش کرتے رہے اور ان تمام مدیرانِ اخبارات کا تہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے دارالعلوم کی تمام کارروائیوں کو اپنے اولین وقت میں شائع فرمایا۔ بالخصوص ادارہ عالی جناب علیم صبا نویدی صاحب اور عالی جناب کاتب شریف برکاتی صاحب کا تہ دل سے مشکور ہے۔ جنہوں نے پوری تندہی کے ساتھ رسالہ "اللطیف" کی اشاعت بروقت میں ہمارا بھرپور تعاون پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صدقے میں دارالعلوم سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو نیز تمام مسلمانوں کو دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!!

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

نعتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

★ مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے وہ جانے والے

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت
بدوں پر بھی برسا دے برسانے والے

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

پیامِ مسرت

★ دارالعلوم لطیفیہ کی تاریخ کا یہ اولین اور پُرمسرت واقعہ ہے کہ موجودہ ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مولانا سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشاہ ایم اے، نے ایک گراں قدر علمی و تحقیقی مقالہ کی تکمیل فرمائی ہے۔ آپ نے بہت سارے مضامین سپردِ قلم فرمایا۔ لیکن یہ مقالہ بعنوان "اقطاب ویلور اور ان کے خلفاء کی علمی خدمات" اپنی نوعیت و حیثیت سے ممتاز اور جداگانہ ہے۔ آپ نے یہ مقالہ ڈاکٹر سید صفی اللہ ایم اے؛ پی ایچ ڈی؛ سابق پروفیسر شعبۂ اردو، فارسی، عربی، دانش گاہِ مدراس کی نگرانی و سرپرستی میں تصنیف کیا ہے۔ جس پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی گئی اس پرمسرت موقعہ پر اساتذہ و طلباء کی جانب سے ڈاکٹر موصوف کے اعزاز میں ایک عالیشان جلسہ منعقد کیا گیا جس میں علماء، فضلاء، شعراء و ادباء، عمائدین اور اہالیان شہر نے شرکت فرمائی اساتذۂ کرام و طلبائے دارالعلوم و خدام و متعلقین خانقاہ و مدرسہ کی جانب سے ڈاکٹر موصوف کی خدمت میں پرخلوص مبارکباد و نیک خواہشات کی سوغات پیش ہے۔

نویدِ مسرت

★ یہ خبر انتہائی مسرت اور افتخار کا باعث ہے کہ مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سرقاضی لطیفی قادری ایم اے؛ استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور، امسال دوسری بار مزید تین سالوں کے لیے یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ ممبر منتخب کئے گئے۔

✣

★ اس سال بھی شعبۂ سنسکرت مدراس یونیورسٹی نے اپنا ایک سالانہ جلسہ منعقد کیا جس میں مختلف شعبہ جات کے ماہرین کو اسناد و تمغات عطا کئے۔ خوشی اس بات کی ہے اس جلسہ میں عربی زبان و ادب کی خدمات کے لیے مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سرقاضی لطیفی کو بھی سند اور تمغہ سے سرفراز کیا گیا۔

جناب موصوف کی خدمت میں دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست حضرات، اساتذۂ کرام اور طلبائے عزیز ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

الماعون قرآنِ کریم کی ایک مختصر سورۃ ہے اور بہت ہی مشہور و معروف ہے۔ یہ سورۃ طیبّہ مدینۂ منورہ میں نازل ہوئی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن اس کے مدنی ہونے کی روایت قابلِ ترجیح ہے۔ کیوں کہ اس سورۃ کے اندر منافقین کا ذکر ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ اور یہ مشہور بات ہے کہ نفاق کا ظہور مدینۂ منورہ میں ہوا۔ مکۂ مکرمہ کے احوال و کوائف پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ وہاں ایمان اور کفر ہی نمایاں تھے۔

یہ سورۂ طیبّہ چار موضوعات اور مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث یہ ہے کہ عقیدۂ آخرت اور آخرت میں جزا و سزا کا اعتقاد آدمی کو ہر گناہ اور ہر بد اخلاقی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے برعکس جو آدمی آخرت کے تصوّر ہی سے خالی اور عاری ہے تو وہ سیرت و کردار کی پستی میں مبتلا رہتا ہے اور گناہ و معصیت میں گرفتار رہتا ہے۔ اور یہ بات اس سے پیش آتی ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں حاضری اور اپنے عمل کے حساب و کتاب کے تصوّر و خیال سے عاری رہتا ہے۔

دین کا لفظ آخرت کی جزا و سزا کے معنی میں مستعمل ہے۔ آخرت کی لفظی معنی پچھلے کے ہیں اور اس سے مراد پچھلی زندگی ہے جو موت سے لے کر برزخ، حشر و نشر، حساب و کتاب، سزا و جزا اور جنّت و دوزخ تک پھیلی ہوئی ہے۔ عقیدۂ آخرت اسلام کی ایک اہم ترین اور بنیادی تعلیم ہے اور اس کا اثر انسانی زندگی پر بہت گہرا ہوتا ہے۔ اسی عقیدہ کے باعث آدمی معاصیات سے احتراز کرتا ہے اور طاعات و عبادات بجالاتا ہے تاکہ اس پچھلی زندگی میں عذاب و عتاب سے مامون و محفوظ رہ سکے اور اجر و ثواب سے بہرہ ور ہو سکے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آدمی اسی انکارِ آخرت کی وجہ سے یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پلانے کی ترغیب و تحریص نہیں دیتا۔ اگر

وہ آخرت کا قائل اور معتقد ہوتا تو اس کا سلوک یتیم اور مسکین کے ساتھ مشفقانہ و ہمدردانہ ہوتا۔

امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ یتیم یُتم سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں اکیلا رہ جانا اور تنہا ہو جانا۔ اکیلی اور تنہا چیز کو بھی یتیم کہتے ہیں جس بچّہ یا بچّی کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے تو وہ یتیم کہلاتے ہیں۔ اور وہ بھی اکیلے اور تنہا ہو جاتے ہیں۔ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ مبارک ہے: لا یتم بعد احتلام: لڑکا سنِ بلوغت کو پہنچنے تک یتیم کہلاتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکا بالغ ہوتے ہی اس کے اندر حرکت و عمل اور جدوجہد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی زندگی کی تعمیر اور ترقی کی راہیں ہموار کر لیتا ہے۔ اور یہاں سے اس کے اندر اکیلا اور تنہا ہونے کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس لڑکی نکاح ہونے تک یتیم کہلاتی ہے۔ نکاح کی قید ہی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ لڑکی کی کفالت و پرورش کی ذمہ داری اس یتیم لڑکی کے رشتہ دار اور معاشرہ کے افراد پر اس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک کہ وہ کسی شخص کی بیوی نہ بن جائے۔

یتیم لڑکا ہو یا لڑکی ان کی پرورش و پرداخت اور ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی شخصیت و سیرت سازی اور ان کی خوش گوار زندگی کی تعمیر کے لیے اسباب و وسائل اور سہولیات کی فراہمی سارے مسلم معاشرہ کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں اولین ہدایت یہ دی گئی ہے کہ یتیم کے ساتھ نرمی و شفقت اور محبت و الفت سے پیش آنا چاہیے۔ چناں چہ سیدِ عالم حضور پرنور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حکم دیا گیا کہ آپ یتیم پر سختی نہ کریں۔ فاما الیتیم فلا تقهر۔

ایک حدیث کے ذریعہ یتیم کی پرورش اور کفالت کرنے والے کو آدمی کو جنّت میں حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مصاحب اور رفیق ہونے کی خوش خبری دی گئی ہے۔ انا و کافل الیتیم کھاتین: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنّت میں دو انگلیوں کی طرح قریب رہیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں کہا گیا ہے: الساعی فی الارملة والمسکین کمجاهد فی سبیل الله بیوہ مسکین کی ضروریات و حاجات کی تکمیل میں لگا رہنے والا آدمی اس آدمی کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔ گویا مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے جو اجر و ثواب عطا ہوگا وہی اجر و ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جو انسانی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔

ایک موقعہ پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے مکانات میں سب سے اچھا مکان وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے

ساتھ حسنِ سلوک کیا جارہا ہو اور مسلمانوں کے مکانات میں وہ مکان بہت بدتر ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور زیادتی کی جارہی ہو۔

عرب معاشرہ کے اندر زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی زمانہ میں یہ بداخلاقی پھیلی ہوئی تھی کہ لوگ یتیموں کے اموال ظلم وستم کے ساتھ کھالیا کرتے تھے اور انھیں ان کے باپ کی جائیداد سے محروم کردیتے تھے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور یتیم کے حقوق دلائے۔ چناں چہ اس سلسلہ میں بے شمار واقعات کتب حدیث وسیر میں موجود ہیں۔ یہاں قاضی ابوالحسن الماوردی کا بیان کردہ ایک واقعہ اعلام النبوۃ سے نقل کیا جارہا ہے۔ :

ابوجہل ایک یتیم بچّہ کا کفیل اور وصی تھا۔ ایک روز وہ بچّہ اس کے پاس آیا اور اپنی ضرورت وحاجت بیان کرتے ہوئے اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی دولت میں سے کچھ دینے کے لیے منت وسماجت کی۔ لیکن ابوجہل نے اس کی طرف کوئی توجّہ نہ دی۔ بالآخر وہ یتیم رنجیدہ اور مایوس ہوکر وہاں سے پلٹ گیا۔ قریش کے سردار یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے شرارت اور تمسخر کے خیال سے یتیم بچّہ سے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جاکر شکایت کرو۔ وہ ابوجہل سے کہہ کر تمہیں تمہارا مال دلوادیں گے۔ یہ سن کر یتیم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی دردبھری داستان سنائی تو آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے اپنے ساتھ لے کر اپنے دشمن ابوجہل کے پاس تشریف لائے جوں ہی ابوجہل نے آپ کو دیکھا تو آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچّہ کا حق اُسے دے دو تو ابوجہل نے فوراً مان لیا اور اس کا سارا مال لاکر اُسے دے دیا۔

قریش کے سرداروں نے منظر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے کیوں کہ وہ اس بات کی تمنّا لیے ہوئے کھڑے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور ابوجہل کے درمیان ایک اچھی خاصی مزے دار جھڑپ ہوجائے گی اور ہم یہ نظارہ کریں گے جب انھوں نے برعکس معاملہ دیکھا تو ابوجہل کے پاس گئے اور اُسے طعنہ دیتے ہوئے کہا: اے ابوجہل! کیا تم نے بھی اپنا دین چھوڑ دیا؟ یہ سن کر اس نے جواب دیا: خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا ہے۔ میرے اس عمل اور طریقے کا سبب یہ رہا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں جانب ایک ایک حربہ ہے۔ اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی تو وہ حربہ میرے اندر گھس جائے گا۔

یتیموں کے تعلق سے قرآنِ کریم میں بھی

متعدد آیات موجود ہیں اور بہت سارے احکام و مسائل مذکور ہیں۔ بعض یتیم مال دار اور سرمایہ دار بھی ہو سکتے ہیں لیکن وہ صغر سنی اور عقل و شعور کی کمی کے باعث اپنے والد کے ترکہ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ایسی صورتِ حال میں یتیم کے رشتہ داروں کا فرض بن جاتا ہے کہ وہ یتیم کے سرمایہ کا نہ صرف تحفظ کریں بلکہ اُسے وسعت اور ترقی بھی دیں اور جب یتیم بچہ بالغ ہو جائے اور یتیم بچی نکاح کے بندھن میں بندھ جائے تو یہ ترکہ اور پونجی ان کے حوالے کر دیں۔

وابتلوا الیتمٰی حتی اذا بلغوا النکاح فان اٰنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم

یہاں تک کہ یتیم نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر تم ان کے اندر قابلیت و صلاحیت دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔

قرآنِ کریم نے اس بات کی بھی سخت وعید سنائی ہے کہ جو لوگ یتیم کے مال کو ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا

مذکورہ آیت کی تفسیر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز کچھ لوگ اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہونگے یہ سُن کر حضرات صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا: ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیم کے اموال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں۔

غرض یتیموں کا مسئلہ زندگی کا ایک اہم ترین مسئلہ ہے کسی بھی وقت کسی حادثہ اور وبائی امراض اور طبعی اموات کے باعث ملّت کے نونہال معصوم بچے یتیم ہو سکتے ہیں اس لیے اسلام نے مسلمانوں کی یہ اخلاقی و انسانی اور دینی ذمہ داری قرار دی کہ وہ سماج میں موجود یتیموں کی خوشحالی زندگی کی تعمیر کی جانب توجہ دیں۔

مسکین کا مادہ سکون ہے۔ اور اس کا مصدر سکن ہے جس سے ساکن، مسکن، مسکین کے الفاظ نکلتے ہیں۔ سکون کے لغوی معنی ٹھہر جانے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے مسکین وہ شخص ہے جو حرکت و عمل سے عاجز آگیا ہو۔ خواہ اس کی حرکت کو بیماری، حادثہ یا اسباب کی عدم فراہمی نے ختم کر دیا ہو۔ ہر سماج اور سوسائٹی میں ایسے حالات کا پیدا ہو جانا ایک ناگزیر صورتِ حال ہے اسی لیے اسلام نے مسکینوں اور ضعیفوں کی خدمت اور اُن کے ساتھ حُسن سلوک کی تعلیم دی۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ آدمی

اپنی ذات سے کسی مسکین اور ضعیف کی مدد کرے بلکہ اسے چاہیے کہ دوسرے لوگوں کو بھی مسکینوں اور ضعیفوں کی خدمت انجام دینے کی ترغیب اور تشویق دلائے۔

مسکین کو خود کھانا نہ دینا اور دوسروں کو کھانا نہ دینے کی ترغیب دلانا یہ ایک ایسا غیر انسانی اور غیر اخلاقی کردار ہے جو صرف اسی شخص میں ہو سکتا ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ بالفاظ دیگر ایسا کام ایک مومن اور مسلمان سے صادر ہی نہیں ہو سکتا قرآنِ کریم نے سماج کے جن مختلف طبقات کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین کی ہے اس میں مسکین بھی شامل ہے جہاں چہ سورۃ البقرہ میں وارد ہے:

وبالوالدين احسانًا وبذى القربىٰ واليتمٰى والمسٰكين وقولوا للناس حسنا

والدین، رشتہ داروں و قرابدار اور یتیم و مسکین کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو اور سارے انسانوں کے لیے اچھی بھلی اور تعمیری بات کہو۔

تیسری بحث یہ ہے کہ مسلمانوں میں شامل گروہِ منافقین کی نمازوں کی ادائیگی کی حالت اور کیفیت یہ ہے کہ وہ بادل ناخواستہ نماز پڑھتے ہیں ایسی اہم ترین عبادت جو صرف اور صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے، وہ دوسروں کے دکھاوے کے لیے ادا کرتے ہیں۔ اہلِ نفاق کے اس طرزِ عمل اور طریقۂ عبادت کی وضاحت قرآنِ کریم میں ایک دوسرے مقام پر بھی کی گئی ہے۔

ان المنٰفقين يخٰدعون الله وهو خادعهم واذا قاموا الى الصلوٰة قاموا كسالىٰ يراؤن الناس ولا يذكرون الله الا قليلا

بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انھیں غافل کر کے مارے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے منافق کے بارے میں فرمایا:

تلك صلوٰة المنافق تلك صلوٰة المنافق، تلك صلوٰة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا كانت بين قرن الشيطٰن قام فنقر اربعًا لا يذكر الله فيها الا قليلا

یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے۔ جو سورج کو دیکھتے ہوئے بیٹھا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ غروب ہونے لگتا ہے تو اس وقت اٹھ کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور وہ اپنی نماز میں اللہ کو کم ہی یاد کرتا ہے

نماز کے تعلق سے قرآن اور احادیث میں مختلف اسالیب کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں تک کہ نماز کو ایمان اور اسلام کی بنیاد اور اساس قرار دیا گیا ہے اور نماز کو ایمان اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی شئی کہا گیا ہے۔ اور نماز اس کے وقت میں ادا کرنے کو سب سے افضل عمل اور سب سے بڑی

نیکی کہا گیا ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ کی روایت ہے کہ:

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلوٰۃ وایتاءُ الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔

اسلام کی بنیاد پانچ ستون پر کھڑی ہے۔ توحید ورسالت کا اقرار کرنا۔ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر الا ترک الصلوٰۃ:

ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

ای عمل افضل یا رسول اللّٰہ قال الصلوٰۃ فی وقتھا۔

نبئ کریم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے تو آپ نے فرمایا: نماز کو اس کا وقت ختم ہونے سے پہلے ادا کرنا۔

الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین۔

نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز قائم کیا اس نے دین کو قائم رکھا۔ جس نے نماز ترک کی اس نے دین کو منہدم کر دیا۔

قال قال رسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم من ترک الصلوٰۃ مضٰی وقتھا ثم قضی عذب فی النار حقبا

رسول کریم صلے اللّٰہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز کو اس کا وقت ٹال کر قضا پڑھے تو بھی نماز ادا نہ کرنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا۔ حقب کی تفسیر میں مختلف معانی محدثین نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک معنی زمانہ دراز اور طویل مدت ہے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ کی روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن لوگوں کے بارے میں دریافت کیا جو نماز سے غفلت برتتے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قضا پڑھتے ہیں۔

غرض نماز سے متعلق قرآن کریم اور احادیث میں ترغیب وترہیب اور وعد و وعید کثرت سے موجود ہے۔ یہاں اس سورۃ طیبہ کے اندر منافقین کی نماز کے متعلق تصریحات ہیں اور اس بات کی صراحت بھی کی گئی ہے۔ منافقین نمازوں میں ریا کاری کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر امور اور اشغال کے اندر بھی ان کی ریا کاری کا پہلو نمایاں رہتا ہے۔

چوتھی بحث ماعون سے متعلق ہے۔

اس کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد روزمرّہ کے استعمال کی وہ چھوٹی چھوٹی ضروری اشیاء ہیں جو ایک دوسرے سے عاریتہً اور مستعار مانگ لی جاتی ہیں۔ جیسے کھانے پینے کے برتن، کاغذ، میاچس سوئی، قلم، سیاہی وغیرہ۔

ماعون یعنی استعمال کی چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں باہم لینا اور دینا۔ یہ عمل بھی اخلاقیات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ سماجی و معاشرتی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے۔ کسی بھی شخص کو ایسی کوئی ضرورت پیش آجائے تو اس کو پورا کرنے سے پہلو تہی نہیں کرنا چاہیے۔ چیزوں کا مستعار لینا دینا بظاہر ایک معمولی سی بات نظر آتی ہے۔ لیکن اس کردار اور عمل کی وجہ سے افراد اور خاندانوں اور محلوں کے درمیان ربط وضبط اور باہمی محبت والفت اور میل ملاپ بڑھتا ہے اور اس سے بہت سارے فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس سورۃ کے اندر ماعون یعنی ضرورت کی چیزوں کے لین دین سے دامن بچانے والوں کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا گیا۔

مذکورہ تشریحات اور تفصیلات کے بعد سورۃ الماعون کا مفہوم خیز ترجمہ پڑھ لیجیے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو انصاف کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ یہ تو وہی ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے۔ اور مسکین کا کھانا دینے پر نہیں ابھارتا اور اُکساتا۔ پس تباہی و بربادی ہے اُن نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں۔

• بقیہ صفحہ نمبر 133 کا

تھے۔ لوگوں نے ان پر شبہ کرتے ہوئے الزام لگایا کہ اس نے موتی لیا ہے۔ اس وقت انھوں نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور کہا، یا سمیع یا بصیر یا علیم۔ جب دعا ختم ہوئی تو بے شمار مچھلیاں کشتی کے اطراف جمع ہوگئیں۔ ہر ایک کے منہ میں موتی تھا۔ انھوں نے موتی لیا۔ تاجر کی جانب بڑھا دیا اور کشتی سے اُتر کر پانی پر چلنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے غائب ہو گئے

حاصل کلام یہ کہ اللہ اپنے خاص بندوں کو علم باطن سے نوازتا ہے۔ اب بھی ان بزرگوں کے تصرفات برکات و فیوضات کا لامتناہی سلسلہ جاری وساری ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے شواھد و واقعات اس کے ثبوت میں موجود ہیں۔ جن کی اس مختصر جگہ میں گنجائش نہیں۔ افسوس آج مسلمان ان ہستیوں کے حقائق سے ناواقف ہیں۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہم تمام مسلمانوں کو اپنی اور اپنے خاص بندوں کی معرفت عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق وہدایت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین

جواہر الحدیث

مولوی حافظ ابو النعمان
بشیر الحق ایم اے؛

رسول کونین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک اہم ترین سنت مسواک کا استعمال بھی ہے۔ جس کی ترغیب وتحریص مختلف اسالیب کے ذریعہ امتِ مسلمہ کو دی گئی ہے۔ اور اس کے بے شمار فضائل وبرکات اور فوائد وثمرات ہیں۔ قرآن کریم میں مسواک کے متعلق صراحت کے ساتھ ذکر تو نہیں ہے البتہ ایک مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بات آئی ہوئی ہے: وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا: اور جب اللہ نے انھیں کئی کلمات میں آزمایا پھر آپ نے وہ پورے کئے تو اللہ نے فرمایا میں تمھیں تمام انسانوں کا امام بناؤں گا۔

ان کلمات سے مراد فطری خصلتیں اور عادتیں ہیں۔ جن کی صراحت ایک حدیث میں آئی ہوئی ہے جس کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ نے کی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انبیاء کرام کی دس سنتیں ہیں۔ جن کی پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے کلمات کی تفسیر میں مسواک کا ذکر کیا ہے۔ اس سے قرآن کریم میں مسواک کا ثبوت مرادی معنی سے ثابت ہے۔ ذیل میں چند احادیث اور ان کا مفہوم خیز ترجمہ ملاحظہ کیجیے

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِيْ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دس باتیں فطرت میں سے ہیں یعنی ا۔ مونچھیں کاٹنا

(۲) داڑھی کا بڑھانا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) ناک میں پانی دینا۔ (۵) ناخن تراشنا۔ (۶) انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا۔ (۷) بغل کے بال صاف کرنا۔ (۸) زیر ناف کے بال صاف کرنا۔ (۹) اور استنجاء میں پانی کا زیادہ استعمال نہ کرنا۔ راوی کا کہنا ہے کہ دسویں سنّت کون سی ہے میں بھول گیا ہوں شاید وہ کلّی کرنا ہو۔ (مسلم)

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ یُسْتَاکُ لَھَا عَلَی الصَّلٰوۃِ الَّتِیْ لَا یُسْتَاکُ لَھَا سَبْعِیْنَ ضِعْفًا۔ (شعب الایمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں: فرمایا: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے وہ اُس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے ستّر درجے افضل ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بتاخیر العشآء و بالسواک عند کل صلوٰۃ (رواہ بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر میری امّت کے لیے یہ بات تکلیف دہ نہ ہوتی تو میں نمازِ عشاء کو تاخیر سے ادا کرنے کا حکم دیتا اور ہر نماز کے لیے مسواک کو ضروری قرار دیتا۔

وعن شریح بن ھانی قال سالت عائشۃ بای شیءٍ کان یبدأ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل بیتہ قالت بالسواک۔ (رواہ مسلم)

حضرت شریح بن ہانی رضؓ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام کیا کرتے تھے۔ انھوں نے جواب دیا مسواک فرماتے۔ (مسلم)

وعن حذیفۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام للتہجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک۔ (بخاری و مسلم)

حضرت حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم جب رات کو تہجد کی نماز کے لیے اُٹھتے تو اپنا دہنِ مبارک مسواک سے صاف کرتے تھے۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم السواک مطھرۃ للفم مرضات للرّبّ۔ (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسواک منہ کی پاکی اور صفائی کا ذریعہ ہے اور اس عمل سے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

وعن ابو ایوب قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین

الحیاء ویروی الختان والتعطر والسواک والنکاح ۔ (ترمذی)

حضرت ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیائے کرام کی چار سنتیں ہیں (۱) حیا کرنا (۲) خوشبو لگانا (۳) مسواک کرنا۔ (۴) اور نکاح کرنا۔ ایک دوسری روایت میں ہے ختنہ کرنا۔

وعن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایرقد من اللیل و لانھار فیستیقظ یتسوک قبل ان یتوضاء (ابوداؤد)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں رات اور دن میں جب بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک کرتے اور وضو فرماتے۔

عن ابن عمرؓ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ارانی فی المنام اتسوک بسواک فجاءنی رجلان احدھما اکبر من الاخر فناولت السواک الاصغر منھما فقیل لی کبر فدفعتہ الی الاکبر منھما۔ (مسلم)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں۔ میرے پاس دو آدمی آئے ان میں ایک دوسرے سے بڑی عمر کا تھا۔ میں نے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ کیا تو مجھے کہا گیا کہ بڑے کو دو۔ لہٰذا میں نے بڑے شخص ہی کو مسواک دیا

عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ماجاءنی جبرئیل علیہ السلام قط الا امرنی بالسواک لقد خشیت ان احفی مقدم ۔ (احمد)

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبرئیل جب بھی میرے پاس تشریف لاتے تو مجھے مسواک کرنے کا حکم دیتے۔ جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مسواک کی زیادتی سے میرا منہ نہ چھیل جائے۔

وعن انسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لقد اکثرت علیکم فی السواک ۔ (بخاری)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبئ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تم کو کثرت سے مسواک کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ (بخاری)

وعن ابی سلمۃ عن زید بن خالدؓ الجھنی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا (۱) اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوۃ ولاخرت صلوۃ العشاء الی ثلث

حضرت ابی سلمہ حضرت زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا اگر یہ حکم میری اُمّت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیتا اور عشاء کی نماز تہائی رات میں پڑھنے کا حکم دیتا۔

راوی فرماتے ہیں زیدؓ مسواک کو ہمیشہ اپنے کان پر قلم کی طرح رکھتے تھے اور ہر نماز کے وقت استعمال کرتے تھے۔

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: مجھے مسواک کے تعلق سے اس قدر ہدایت اور تاکید دی جاتی رہی کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں یہ مجھ پر فرض نہ ہو جائے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو اس میں دسؔ فائدے ہیں:

۱۔ منہ صاف کرتی ہے۔ ۲۔ اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ ۳۔ شیطان کو غصّہ دلاتی ہے۔ ۴۔ مسواک کرنے والے کو اللہ تعالےٰ محبوب رکھتے ہیں۔ ۵۔ فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ ۶۔ مسوڑھوں کو قوت دیتی ہے۔ ۷۔ بلغم کو قطع کرتی ہے۔ ۸۔ منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ ۹۔ صفراء کو دُور کر دیتی ہے۔ ۱۰۔ نگاہ کو تیز کرتی ہے، منھ کی بدبو زائل کرتی ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس سنّت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق اور ہدایت نصیب فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ والہٖ وصحبہٖ اجمعین ۰۰

★ منقبتِ حضرت غوث الثقلینؒ

کامل شطّاری

تیرے در کی بھیک پر ہے میرا آج تک گذارا
کبھی کچھ ملا تصدّق کبھی کچھ مِلا اُتارا

تیرے ہاتھ دیکھتا ہوں دو جہاں کا راج سارا
میری مغفرت کو بس ہے تیرا صرف ایک اشارہ

میرے ناز سہنے والے میری لاج رکھنے والے
ہے فقط تیری عنایت میری زیست کا سہارا

مجھے بے قرار رکھ کر میرے دل میں بسنے والے
جو بھی ہے تیری مرضی مجھے ہر تڑپ گوارا

کوئی میرے دل سے پوچھے یہ ادائے دستگیری
وہیں آگئے مدد کو انھیں جب پکارا

میرے پیر کی حمایت میرے ساتھ ہے تو بس ہے
میری ٹھوکروں میں منزل مجھے ہر بھنور کنارہ

زہے غم تو سرفرازم بپرستش تو نازم
صنما بحالِ زارم نگہِ کرم خُدارا

میرے محی الدین نے کامل مجھے زندگی عطا کی
وہی ایک میرا آقا دل وجاں سے مجھ کو پیارا

پیش کش:-
سید بلال احمد شطّاری بنگلور

فتوے

*ادارہ

استاد العلماء و الاساتذہ حضرت مولانا مولوی ابو المعالی علوی علیہ الرحمہ سابق مفتی و استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور نے تقریباً تیس سال قبل قربانی سے متعلق درج ذیل فتویٰ تحریر کیا تھا۔ جس کی اہمیت و ضرورت آج بھی ہے۔ موجودہ دور میں بھی ایسے اشخاص کی کمی نہیں ہے جو قربانی کے عوض فلاحی کام انجام دینے کی سوچتے ہیں ذیل کے فتویٰ سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہے کہ قربانی کے ایام میں صرف قربانی دینا ضروری ہے۔

ابو النعمان بشیر الحق غفرلہٗ والوالدیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارے میں کہ ایک صاحب جو ہمیشہ نادار غریب مسلموں کی شادیوں اور محتاج دینی مدرسوں کی مالی امداد دیتے ہیں۔ اب ان کا خیال ہے کہ کیوں قربانی کے بکروں کی قیمت کا حساب لگا کر ایام تشریق کے بعد بالا مذکور کاموں میں نہ خرچ کیا جائے۔ جب کہ قوم کے غریبوں کو امداد دینے کی سخت ضرورت ہے۔ کیا اس حالت میں ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ براہِ نوازش جوابِ باصواب سے احقر کو ممنون فرمائیے گا۔

راقم حسن شریف سبحانی۔ مدراس

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً

بعض ائمہ مجتہدینؒ نے قربانی کو واجب اور بعض نے سنتِ موکدہ مانا ہے۔ خصوصاً امامِ اعظمؒ نے قربانی کو واجب قرار دیا ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس برس تک برابر اس پر مداومت فرمائی ہے۔ لہٰذا صاحبِ استعداد پر واجب ہے کہ وقتِ مقررہ پر قربانی کرے۔ چوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ من وجد سعۃ لان یضحی فلم یضح فلا یحضر مصلینا (جس شخص کو قربانی کی استطاعت ہو اور وہ قربانی نہ دے تو ایسا شخص نماز عید ادا کرنے کے لیے ہماری عید گاہ نہ آئے۔

وقتی ضرورتوں اور ہنگامی مجبوریوں کی بناء پر شکلِ قربانی نقد یا اور کسی جنس میں تبدیل کر کے خیرات کرنا ناجائز ہے۔ کیوں کہ قربانی حیوان مخصوص کی وقتِ خاص میں (ایامِ تشریق میں قربت کی نیت سے ذبح کرنا ہے۔)

جیسا کہ درالمختار میں ہے: ھی ذبیح حیوان مخصوص بنیۃ القربت فی وقت مخصوص بنیۃ القربۃ دوسرا اھراق الدم (خون بہانا یا قربانی دینا) کا عمل عین ان دنوں میں اللہ کے پاس بہت محبوب آیۃ کریمہ فصل لربك والنحر۔

کتبہ ... علوی ...
صدر مدرس مدرسہ لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور
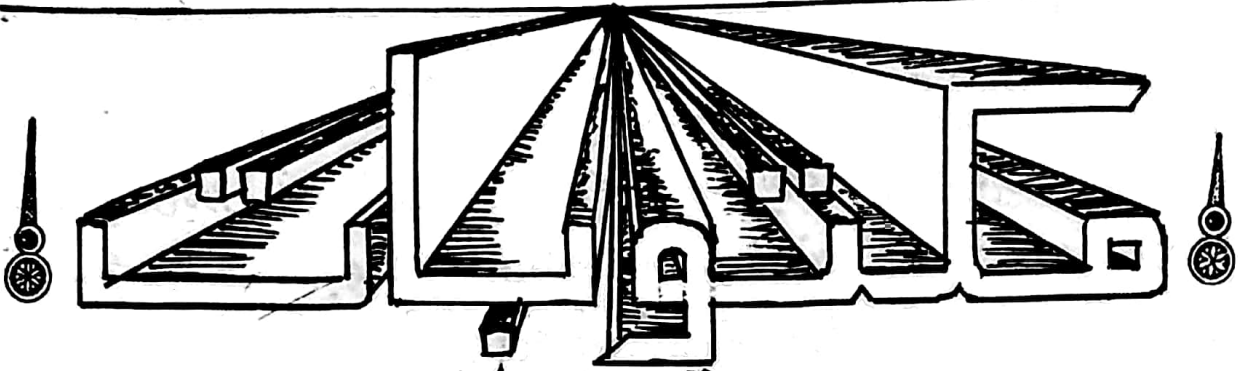
حضرت قطبِ ویلورؒ

مجدد جنوب حضرت قطبِ ویلور علیہ الرحمہ نے اپنے مریدین و معتقدین اور تلامذہ وخلفاء کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمایا ہے ۔ جن میں کئی ایک مختلف موضوعات پہ روشنی ڈالی ہے بعض مکتوبات کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے

مترجم: مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی قادری لطیفی ایم، اے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب بنام مولانا شاہ عبدالحی قادری

حمد وصلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ مورخہ ۱۹ ربیع الثانی کا تحریر کردہ آپ کا مکتوب باصرہ نواز ہوا اور خیریت و کیفیت اور درج کردہ مضامین اور پوچھے گئے سوالات سے مطلع کیا۔ الحمد للہ علی ذالک ۔

یہاں کے لوگوں کے احوال و کوائف حمد اور شکر کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کے ثبات و استقامت کے لیے دعا گو ہوں۔

اس فقیر کے جوابات کے انتخاب اور اخذ سے متعلق آپ نے جو لکھا تھا وہ معلوم ہوا۔ چوں کہ یہ عمل خیر ہے جس کی وجہ سے بہت اچھا معلوم ہوا۔

حسبِ ایما آپ میراثِ ما بقی کے جوابات ترک کرکے اربعین کے نام سے اسے شائع کرادیں لیکن اشاعت سے پہلے اس فقیر کی نظر سے ایک مرتبہ ضرور گزار لیں۔

آپ نے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا کہ عقائد کی کتابوں میں روحِ انسانی کو فانی کہا گیا ہے اور کیمیائے سعادت میں امام غزالی نے روح کو دائمی اور ابدی کہا ہے۔ اس اختلاف اور تضاد کی حقیقت کیا ہے؟

محبّ من ! ایک حدیث میں ہے کہ سات چیزوں کو فنا نہیں ہے ۔ عرش، کرسی، لوح و قلم، جنّت

دوزخ اور ارواح۔ بعض حضرات نے صُور کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ اور آٹھ چیزوں کو غیر فانی کہا ہے۔ بعض علماء مذکورہ حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔ اور ان آٹھ چیزوں کو تھوڑی دیر کے لیے سہی فانی قرار دیتے ہیں تاکہ اس حدیث اور کل شیئ ھالک الا وجھہ (اللہ کی ذات کے سوا ہر شئے فانی ہے۔) کی آیت کے درمیان ٹکراؤ پیدا نہ ہو۔
اور بعض علماء مثلاً امام غزالیؒ، شیخ ابن عربیؒ، صدرالدین قونوی وغیرہ کوئی تاویل نہیں کرتے اور مذکورہ آٹھ چیزوں کو ابدی قرار دیتے ہیں۔ اور ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموٰت والارض الا ما شاء اللہ (جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی ساری چیزیں فنا ہو جائے گی، مگر اللہ جس کو چاہے وہ فنا نہیں ہوں گی۔) لہذا حدیث میں جن چیزوں کے غیر فانی اور ابدی ہونے کی بات آئی ہوئی ہے وہ الا ما شاء اللہ کے استثنا میں داخل ہیں۔
اور پہلی آیت دوسری آیت کی وجہ سے عام مخصوص منه البعض ہوگی تو نہ آیت آیت میں تعارض پیش آسکتا ہے اور نہ ہی آیت و حدیث میں تعارض پیش آسکتا ہے اور صعق بےہوشی اور فنا دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ سید محمد لاہیجی نے شرح گلشن راز میں یہ اختلافی بحث پیش کی ہے۔
نیز آپ نے بعض علمائے متاخرین کے اس قول کی وضاحت بھی طلب کی تھی جو دو ذات اور ایک وجود کے قائل ہیں۔

سعادت آثار! یہاں دو چیزیں ہیں ایک چیز صورِ علمیہ اور دوسری چیز موجوداتِ خارجیہ۔ موجودات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالےٰ کو تمام اشیاء کا جو علم تھا اور تمام اشیاء جو اس کے دائرۂ علم میں تھیں تو اس اعتبار سے ان کا نام صورِ علمیہ ہے۔
اسی صورِ علمیہ کو ذواتِ ممکنہ = حقائق کونیہ = اشیائے ثبوتیہ = اعیانِ علمیہ = معدومات خارجیہ اور حروف کہتے ہیں۔
اور وہی اشیاء اللہ تعالےٰ کے صورِ علمیہ کے مطابق جب خارج میں ظہور پذیر ہوگئیں تو اس وجودِ خارجی کے اعتبار سے ان کا نام موجودات خارجیہ ہے۔ اور اسی دائرۂ وجودِ خارجی میں ان کو ظاہرِ وجود، ظاہرِ ممکنات وجود اضافی، اشیاء موجودیہ، اعیانِ خارجیہ، کلماتِ وجود اور کلمات اللہ کہتے ہیں اور یہ حقیقت بھی تمہارے ذہن نشین رہے کہ جس طرح اللہ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اس کا علم بھی قدیم ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے علم میں اس صورِ علمیہ میں تمام اشیاء کی جو ذوات ہیں وہ سب قدیم ہوئیں۔ صورِ علمیہ کو قدیم نہ ماننے کی صورت میں یہ بات لازم آئے گی کہ اللہ تعالےٰ کو اشیاء کا علم ازل سے نہیں تھا بلکہ کے بعد میں ہوا تو اللہ تعالےٰ کے لیے جہل لازم آئے گا (معاذ

اعیانِ صوریہ، اسمائے الٰہی کے مظاہر ہیں اور ارواح' اعیان کے مظاہر ہیں اور اجسام اور ابدان ارواح کے مظاہر ہیں اور یہ تمام کے تمام ظلالات اور عکوس ہیں ۔

اسی حقیقت اور اسی مفہوم کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے ۔

ظلِ اعیان اند ارواحِ ہمہ ظل ارواح اند اشباح ہمہ

گرچہ اسماء ظل ذات مطلق اند باز اعیان ظل اسمائے الٰہی اند

ظلِ ظل کے اعتبار اور حقیقت سے ظل ہی ہے اور عالم خیال سے ہے اور حق تعالیٰ انھیں خیالات اور ظلالات کی صورتوں میں ظاہر ہے اسی مفہوم کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے:

انما الکون خیال ٭ وھو حق فی الحقیقۃ ٭ والذی یفھم ھذا ٭ جاز اسماء الطریقہ

درخیال آں جمال می بینم نقشِ عالم خیال می بینم

ہمہ را یکمال می بینم ہمہ عالم چو مظہر اوست

اس مقام پر یہ بحث رہ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات اور حق تعالیٰ کا وجود ایک دوسرے کا عین ہیں یا غیر ہیں ؟ متکلمین کے نزدیک ذات واجب، اس کے وجود کے مغائر ہے لیکن اس کے باوجود ذات اپنے وجود کو اس طرح مقتضی اور لازم ہے کہ وجود کا ذات سے انفکاک محال ہے اگرچہ کہ تغائر کی بنا پر ذات اور وجود کے درمیان انفکاک کا تصوّر ممکن ہے ۔ اس مثال کو یوں سمجھیے کہ آفتاب کی روشنی بعینہٖ آفتاب نہیں ہے بلکہ آفتاب کا غیر ہے۔ لیکن اس مغائرت اور غیریت کے باوجود روشنی کا آفتاب سے جدا ہونا محال ہے ۔

اگرچہ کہ نفس مغائرت کی وجہ سے انفکاک کا تصوّر ممکن ہے اور اس کے برعکس محقق صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کا وجود اس کی ذات کا عین ہے ۔ یعنی بذاتِ خود موجود ہے ۔ وجود ذات سے مغائر نہیں ہے اس کی مثال یوں پیش کرتے ہیں ۔ کہ آفتاب اور اس کی روشنی دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی روشنی ہے جو خود ہی روشن ہے اور اس پر روشن اور روشنی دونوں کا صدق ہوتا ہے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا وجود الگ الگ دو چیزیں نہیں ہیں بلکہ ذات وہی ہے اور وجود وہی ہے اور یہ ہی قول صحیح ہے ۔

اس لیے کہ حق تعالیٰ موجود بالذات ہے ۔ یعنی اپنی ذات سے موجود ہے جس کا مطلب اور مفہوم ہی یہ ہے کہ اس کا وجود اس کی ذات سے مغائر یا ذات پر زائد نہیں ہے ۔ ورنہ موجود بالذات کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ جب یہ بات روشن ہے کہ وجود اور ذات میں عینیت ہے تو جس طرح وجود کا ذات سے انفکاک محال ہے اسی

اللّٰہ من ذالک) اللہ تعالیٰ کی معلومات اور ذوات قدیم ہیں اس لیے بعض متاخرین دو ذات کے قائل ہیں۔
ان میں سے ایک ذات، ذاتِ حق۔ دوسری ذات، ذواتِ ممکنہ جو کہ حق تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اب رہ گئی بات وجود کی۔ کسی کا وجود ذاتی اور مستقل نہیں ہے خواہ صورِ علمیہ ہوں یا موجوداتِ خارجیہ اور مستقل وجود صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کا وجود اور اسی وجود کے نور سے تمام صور علمیہ ہیں۔ صور علمیہ کے لیے کوئی علاحدہ اور الگ وجود نہیں ہے بلکہ صور علمیہ میں بھی اسی نور کی تجلی اور ظہور ہے۔ موجوداتِ خارجیہ کو بھی جو کہ ارواح، مثال، اجسام، انسان ہوتے ہیں مستقل وجود نہیں ہے۔ اس لیے کہ موجوداتِ خارجیہ کا وجود صور علمیہ کی وجہ سے ہے۔
اور موجوداتِ خارجیہ اسی صور علمیہ کے ظلال و عکوس اور آثار و احکام ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے قریب الفہم مثال یہ دی جا سکتی ہے۔ ہمارے زبان سے نکلنے والے حروف اور کلمات اور ہماری حرکات مکتوبات اور مصنوعات وغیرہ یہ تمام چیزیں ہمارے ذہن میں موجود معلومات کے ظلال و عکوس اور آثار ہیں اور جس طرح ہمارے مکتوبات اور مصنوعات کے ظاہر ہونے کے وقت ہمارے ذہن میں موجود معلومات کا زوال نہیں ہوتا اسی طرح اعیانِ خارج کے ظاہر ہونے کے وقت حق تعالیٰ کے اعیانِ علمیہ کا زوال نہیں ہوتا ہے ورنہ اعیان علمیہ کے زوال سے حق تعالیٰ کا موجوداتِ خارجیہ سے جہل اور لاعلمی لازم آجائے گی۔ (العیاذ باللہ منہا)
جب یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ موجوداتِ خارجیہ، صورِ علمیہ کے ظلال اور عکوس ہیں تو اس سے یہ عقدہ بھی کھل جاتا ہے کہ ظلال اور عکوس کا وجود اصلی اور ذاتی نہیں ہوتا (جیسے آدمی کا سایہ) اور اس وجہ سے صوفیہ متقدمین اور متاخرین صرف ایک وجود کے قائل ہیں۔ موجوداتِ خارجیہ اور اعیانِ علمیہ میں سے کسی کا وجود ذاتی اور مستقل اور اصلی نہیں ہے۔
کشف و الہام کی راہ سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ جس طرح موجوداتِ خارجیہ، اعیانِ علمیہ کے ظلال اور عکوس ہیں اسی طرح اعیانِ علمیہ بھی اسمائے الٰہی کے ظلال اور عکوس ہیں اور اسمائے الٰہیہ ذاتِ مطلق کے ظلال اور عکوس ہیں۔ اس لیے تمام اکابر صوفیہ جس طرح ایک وجود کے قائل ہیں اسی طرح ایک ذات کے بھی قائل ہیں اور ایک ہی ذات اور ایک ہی وجود کہتے ہیں۔ اس لیے کہ باقی تمام ذوات ذاتِ واحد کے آثار اور ظلال ہیں۔
حضرت شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ رسالہ مکاشفات کے بائیسویں مکاشفہ میں رقم طراز ہیں:
اگرچہ کہ نفس مغائرت کی وجہ سے انعکاس کا تصوّر ممکن ہے اور اس کے برعکس محقق صوفیہ کے نزدیک حق تعالیٰ کا وجود اس کی ذات کا عین ہے یعنی بذاتِ خود موجود ہے۔ وجود ذات سے مغائر نہیں ہے اس

طرح انفکاک کا تصوّر بھی محال ہے۔

اس مسئلہ کی مزید تشریح، تفصیل اور دلائل کے لیے وقت اور کاغذ ناکافی ہیں۔

کرم اطوار!

نیز آپ نے عورتوں کے دامنِ کفن پر سورۂ الم نشرح لکھنے کے بارے میں دریافت کیا تھا اور سانپ اور بچھو کے زہر زائل کرنے کی دُعائیں پوچھی تھیں اور نور ابلیسی کی علامات دریافت کی تھیں اور یہ بھی پوچھا تھا کہ ربّانی، ملکی، شیطانی اور نفسانی خطرہ میں کیا فرق و امتیاز ہے؟ اور قلب میں پیدا ہونے والے وساوس اور خطرات کے دفع کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

کرم فرما!

حدیث اور فقہ کی کتابوں میں کفن پر سورۂ الم نشرح تحریر کرنے کا ثبوت نہیں ہے بلکہ نصاب الاحتساب کے مصنف نے اس عمل کو خلافِ شرع۔ چناں چہ فرماتے ہیں: اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنٰی یا قرآنِ کریم کی آیات میں سے کسی آیت کو میّت کے کفن پر لکھنا خلاف شرع اور ممنوع ہے۔

مولانا مولا بخش صدیقی بہاری نے "زاد الآخرت" میں "در المختار" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسمائے الٰہی اور آیاتِ قرآنی کے علاوہ عہد نامہ کو میّت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر لکھا جائے تو اس عمل سے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ میّت کی مغفرت فرمائے گا۔ اسی کتاب میں یہ قول درج ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہٗ نے حضرت سلمان فارسی رضؓ کے کفن پر یہ شعر لکھا تھا:

وفدت علی الکریم بغیر زاد! من الحسنات والقلب السلیم
فان المزاد اقبح کل شئی اذا کان الوفود علی الکریم

نیز مروی ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضؓ نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضؓ سے یہ حدیث العمر سراج الجنّۃ (عمر جنّت کا چراغ ہیں) سُنی تو حضرت علی سے یہ حدیث لکھوا کر اپنے پاس رکھ لیا اور اپنے گھر والوں کو وصیّت کی کہ میرے انتقال کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دی جائے تاکہ قیامت کے روز میرے پاس ایک دستاویز رہے۔

تفسیر عزیزیہ میں مرقوم ہے کہ ایک عارف نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوا کر اپنے اہل خانہ کو وصیّت کی کہ میرے انتقال کے بعد یہ تحریر میرے کفن میں رکھ دی جائے۔ یہ سُن کر گھر والوں نے عارف سے پوچھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟

تو انھوں نے بتایا کہ ایک فقیر عالی شان گھر کے عالی شان دروازہ پہ پہنچا اور اہلِ خانہ سے خیرات طلب کیا تو اُسے اسی خوب صورت گھر سے معمولی اور حقیر چیز دی گئی ۔ فقیر وہاں سے واپس آیا اور ایک کدال لے کر اس عالی شان اور خوب صورت گھر کے عالی شان دروازہ کو گرانا شروع کر دیا۔ مالکِ مکان دوڑتے ہوئے آیا اور اس حرکت کی وجہ پوچھی تو فقیر نے جواب دیا آپ اپنی بخشش و عطا کو اس عالی شان دروازے کے قابل بنا دیجیے یا پھر اپنے گھر کے اس عالی شان دروازہ کو اپنی عطا و بخشش کے موافق بنا دیجیے تاکہ کوئی بھی فقیر یہ عالی شان دروازہ دیکھ کر اونچی بخشش اور بڑی عطا کا امیدوار نہ رہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کتاب اللہ کا دروازہ ہے اور قیامت کے روز میرے لیے یہ دستاویز ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے اسی دروازہ سے اس کے رحم و کرم کی بھیک طلب کروں گا ۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں : اندرون قبر محراب بنا کر اس میں پیران طریقت کا شجرہ اس طرح رکھیں کہ میت کے بدن کی آلائش سے آلودہ نہ ہو سکے ۔ مذکورہ اسناد اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورۃ الم نشرح کو کفن پر لکھ سکتے ہیں اور اگر قبر کی تنگی اور عذاب سے رہائی کا خیال کرتے ہوئے سورۃ الم نشرح وغیرہ کی تحریر اس طرح رکھیں کہ میت کی آلائش و نجاست سے آلودہ نہ ہو تو یہ عمل جائز ہے ۔

مختلف زہروں کے ازالہ کے لیے آپ دوائیں اور دعائیں "حصن حصین" اور "طب نبوی" میں ڈھونڈ لیجیے ۔

نورِ ابلیسی کی علامت یہی ہے اس سے کوئی بھی حکم حکم الٰہی کے خلاف صدور پذیر نہ ہو گا یہی وجہ ہے کہ جیدی و شیخی شیخ عبدالقادر نے جب نورِ ابلیس سے حکم ربانی کے خلاف حکم پایا جو حرام کو حلال قرار دیتا تھا تو آپ نے فوراً قرآن کی آیت ان اللہ لا یامر بالفحشاء (اللہ تعالیٰ فحش اور منکر کا حکم نہیں دیتا) سے روشنی حاصل کی اور نورِ ابلیسی کو ٹھوکر مار دی اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا ۔

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے آواز آئی : اے عبدالقادر! ہم نے تمہارے لیے حرام اور حلال کی قید اٹھا دی ہے تو آپ نے دل میں سوچا حرام میرے لیے حلال کیسے ہو سکتا ہے ۔ کہیں یہ ابلیس کا دھوکہ تو نہیں ہے ۔ قرآن سے ہدایت حاصل کی اور فوراً لاحول پڑھ دیا تو فوراً ابلیس زائل ہو گیا ۔ پھر آواز آئی : اے عبدالقادر! آج تمہیں تمہارے زہد و تقویٰ نے میرے حملہ سے بچا لیا ۔ پھر آپ چوکنا ہو گئے اور زبانِ مبارک سے فرمایا : اے ابلیس میرے علم و فضل نے مجھے تیرے شر سے نہیں بچایا ۔ بلکہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بچا لیا ۔ دفعتاً روشنی غائب ہو گئی جو نورِ ابلیس تھا ۔

اور یہ حقیقت ہمیشہ آپ کے ذہن میں موجود رہنا چاہیے کہ سلوک کا راستہ طے کرتے وقت شریعت مطہرہ کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھے۔

اور شریعت کے ظاہر اور باطن کا پورا پورا اہتمام کریں اور تمہارا سلوک موافق شریعت رہنا چاہیے اور راہِ سلوک کے عوارض اور موانع سے پوری طرح اجتناب کریں اور یہی وقت بیداری اور سلوک اور عمل کا وقت ہے۔

عیش و عشرت اور راحت کا وقت آگے آنے والا ہے جو عمل کا نتیجہ ہے۔ بیداری و ہوشیاری اور جدوجہد اور عمل کے وقت آرام و سکون اور عیش و عشرت میں مبتلا ہوجانا اور سلوک کے موانع میں الجھ جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کاشت و فصل کو پختہ اور رسیدہ ہونے سے پہلے ہی فصل کو کاٹ ڈالنا ہے اور پیداوار اور پھل سے معذور ہوجانا ہے۔ اور یہ اقدام یعنی عمل کے وقت عیش و عشرت کی منزل سے دور کرنے والا اور حیرانی و بے سروسامانی میں مبتلا کرنے والا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا ہمیں شاد کام و بامراد کرے۔

مکتوب بنام محمد امام الدین مہکری

منصف بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوۃ اور دعاؤں کے بعد واضح ہو کہ ۹ ذی الحجہ ۱۲۴۸ھ کا تحریر کردہ التفات نامہ آپ کے جج ہونے کی خبر لیے ہوئے دستیاب ہوا۔ اور اس مسکین کے قلب کو مضطرب اور بے چین کر دیا۔

سعادت آثار!

بزرگوں نے عہدۂ قضا اور منصب جج کو ایک عظیم آزمائش سمجھا ہے اور یہ تصور عدالت اسلامیہ سے متعلق قائم ہے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ غیر مسلم عدالت کے منصب جج کی آزمائش اور خطرات کا عالم کیا ہو سکتا ہے۔

غایتِ کار افلاس ہے اور نہایتِ کار افلاس، فاقہ کشی ہے۔ جو رات فاقہ کشی میں گزر جائے تو وہ اللہ والوں کے لیے شبِ معراج ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو نماز سیرابی و آسودگی کی حالت میں پڑھی جاتی ہے تو شیطان نمازی کو اپنے پہلو میں لے لیتا ہے۔ اور جو نماز عدم سیرابی اور گرسنگی کی حالت میں ادا کی جاتی ہے تو شیطان نمازی کے قریب تک آنے کی ہمت نہیں کرتا اور وہاں سے فرار ہو جاتا ہے۔

سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کئی کئی روز تک شکم مبارک پر پتھر باندھے ہوئے رہتے تھے اور کبھی کے

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے رسالہ "لمعات" میں لکھا ہے کہ سالک کو ذکر کے دوران بے شمار وسواس اور خطرات آتے ہیں اور انوارِ الٰہی اور تجلّیات ربّانی ظاہر ہوا کرتے ہیں اور سالک ان چیزوں کو عظیم انوار تصوّر کر لیتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسکو کوئی عجیب و غریب چیز ہاتھ لگ گئی ہے۔ پھر وہ اپنے مقصود کو پانے کی سعی و کوشش ترک کر دیتا ہے۔

اس باب میں ایک ضابطہ ذہن نشین رکھنا چاہیے جس پر اس فقیر کو منجانب اللہ اطلاع اور آگہی حاصل ہوگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سالک پر جو بھی صورت ظاہر ہوگئی۔ وہ چند احوال و کوائف میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہ ہوگی اور اگر اس حالت میں سالک کو یقین حاصل ہو چکا ہے کہ یہ صورت، تجلّی حق کی صورت ہے۔ یا اس کی طرف منسوب ہے تو وہ یقیناً تجلّی حق ہے۔ اور اگر اس کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ فرشتوں کی صورتیں ہیں، یا مشائخ کرام کی ارواح طیّبہ ہیں تو یقیناً وہی ہے۔

اور اگر اس حالت میں سالک کو انشراح و انبساط و انس و کیفیت و سرور حاصل ہو تو وہ واقع ملکی ہے۔

اور اگر اس حالت میں سالک کو کوئی وحشت و دہشت اور انقباض حاصل ہو تو وہ شیطانی اثر ہے۔

اور اگر اس حالت میں سالک کو انشراح اور انقباض دونوں کیفیات حاصل نہ ہوں تو وہ خیالاتِ طبعیہ میں سے کوئی خیال ہے۔

اور جہات ذکر کے درمیان فرق سے متعلق مشائخ کرام نے جو تفصیلات بیان کیا ہے، وہ فقیر کے نزدیک ہر حال میں درست قرار دینے کے لائق نہیں ہیں۔

حاصلِ تحریر! راہِ حق کے سلوک کے عوارض اور اس کے علاجات و معالجات بہت ہیں۔ ان میں سے ایک عارضہ اور مانع بھی ہے کہ سالک فقہا کے اختلافات کی طرف توجّہ کرے۔ جیسا کہ یہ بات امام غزالی نے اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" میں کہی ہے:

راہِ حق یا طریق سلوک کے عوارض و موانع اور اس کے علاجات و معالجات کو فقیر نے اپنے رسالہ "امفار" میں مستند معتبر اسناد و شواہد کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اس کی جانب رجوع کریں۔

سعادت اطوار! کام کا وقت چلا جا رہا ہے۔ جو بھی لمحہ گزر جائے گا وہ عمر کے حصّے کو کم کر رہا ہے اور موت کے وقت کو قریب کر رہا ہے۔ اور یہی وقت آگاہ و متنبہ اور ہوشیار ہونے کا ہے۔ اور یہی موقعہ اور یہی وقت بیداری اور عمل کا ہے۔ اگر آج متنبہ اور ہوشیار نہ ہو سکے تو کل آخرت میں حسرت و یاس اور افسوس و حیرت کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہیں آئے گی۔

پر قناعت فرماتے تھے اور کئی کئی دن تک گھر میں چولھا نہیں سلگتا تھا۔ اور گھر میں چراغ نہیں روشن ہوتا تھا۔
ایک مومن کو چاہیے کہ ہمیشہ غنائے نفسانی کو اپنے پیشِ نظر رکھے اور ہر دم غذائے روحانی کی تحصیل میں کوشاں رہے اور چراغِ دل کو فروزاں رکھنے میں مشغول رہے۔ یعنی قلب کو زندہ رکھنے میں مصروفِ عمل رہے۔
اور دُنیا کی بے وفا و بے ثبات اور فضول و لایعنی دولت و ثروت اور غنا سے اعراض اور کنارہ کش ہوجائے۔ جو قبر اور آخرت کارآمد نہیں ہے۔
حشر میں احتساب کے اسی خیال کے پیشِ نظر متقدمین عدالتِ اسلامیہ کے عہدۂ قضا کو قبول کرنے سے پیچھے ہٹ گئے تو آپ اسی سے قیاس کر لیجیے کہ عدالتِ غیر اسلامیہ کے منصب قضا و عہدۂ جج کے خطرات کیسے ہوں گے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔
ممکن ہو تو آپ منصفی کے عوض میں کوئی دوسری خدمت حاصل کریں۔ اور اگر آپ سے ایسا نہ ہو سکے تو حتی المقدور اصلاحِ نیت میں کوشش کریں: یحشر الناس علی نیاتھم۔ لوگوں کا حشر ان کی نیتوں کے موافق ہوگا۔
اور عدل و انصاف اور قضا کے معاملہ میں حق کے اثبات و احقاق اور انسانوں کی اصلاح اور اُن کی خیر و بھلائی کو اپنے پیشِ نظر رکھیں اور اسی چیز کو اپنا مقصد قرار دیں۔ اللہ کی نظر انسان کے دل پر ہوتی ہے، اس کے جسم پر نہیں۔ دنیاوی زندگی کی عمر کی مدت ساٹھ ستر سال سے بڑھ کر نہیں ہوتی ہے اور وہ بھی ہزاروں محنتوں اور مشقتوں اور کدورتوں سے بھری رہتی ہے۔ ایسی صورت میں ابدی و دائمی اور اخروی زندگی سے صرفِ نظر کرنا اور حقیر دنیا پر فریفتہ ہونا دانش مندانہ کام نہیں ہے۔
حب الدنیا رأس کل خطیئۃ: دُنیا کی محبت اور اس پر فریفتگی ہی ہر خطا و لغزش کی جڑ ہے۔
اپنے احوال و کوائف سے آگاہی دیں اور اس مسکین کو، اپنوں کو فراموش کرنے کا خیال نہ کریں۔
المرء مع من احبہ: آخرت میں آدمی اسی کے ساتھ رہے گا جس کے ساتھ اسے محبت اور الفت ہے۔
زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ رہے۔ تم جہاں کہیں رہو۔ ●●

حضرت مجذوب قطب ویلور علیہ الرحمہ کی معرکۃ الآرا فارسی تصنیف — جواہر السلوک کا مفہوم خیز ترجمہ ھدیۂ ناظرین ہے۔

بائیسویں فائدہ میں بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالےٰ کا فیض بندہ پر دو طریقہ سے جاری ہوتا ہے، ایک براہ راست بغیر کسی واسطہ کے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سالک تربیت کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے اور بالترتیب درجہ بہ درجہ اس پر فیض کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جب وہ سلوک کی تکمیل کر لیتا ہے تو اپنے تجربہ کی بنیاد پر دوسروں کو بھی سلوک کی تعلیم دے سکتا ہے۔ اگرچہ پہلے طریقہ سے جو فیض یاب ہوتا ہے اس کا درجہ زیادہ اونچا ہوتا ہے لیکن سلوک کی تعلیم وہ خود نہیں دے سکتا، جب تک کہ پہلے وہ خود راہ سلوک کو درجہ بہ درجہ طے نہ کر لے۔ پہلے طریقہ سے جو فیضیاب ہوتا ہے اس کو مجذوب سالک کہتے ہیں اور دوسرے طریقہ سے جو فیضیاب ہوتا ہے اُسے سالک مجذوب کہتے ہیں۔

اب ذیل میں بائیسویں فائدے کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:

مولانا عبدالرحمٰن جامی "اشعۃ اللمعات" میں لکھتے ہیں کہ موجودات میں سے ہر موجود کو حق سبحانہٗ تعالےٰ کے ساتھ نسبت کی دو جہتیں ہیں ایک جہت سے حق تعالےٰ کی معیّت اس کے ساتھ ذاتی ہے۔ (جیسے روح کی معیّت بدن کے ساتھ) اس جہت سے حق تعالیٰ بالذات بغیر کسی توسط کے اس کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس جہت کو طریق وجہ خاص کہتے ہیں اور جب بندہ پر اس کا غلبہ اتنا ہوتا ہے کہ بندہ اس میں فنا ہو جاتا ہے تو اسے جذبہ کہتے ہیں۔

نسبت کی دوسری جہت سلسلۂ ترتیب

ہے۔ اس میں بندہ کو جو فیض پہنچتا ہے، وہ دوسرے امور کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ (مثلاً ریاضت و مجاہدہ وغیرہ۔ مترجم) اور ان امور کی معیّت کا کچھ دخل حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور بندہ کو جو فیض پہنچتا ہے، وہ ان امور سے گزر کر ہوتا ہے۔ اور سلوک کے درجہ بہ درجہ احکامات کی خصوصیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب اس طریق سے بندہ برابر ترقی کرتا جاتا ہے اور سلوک کی ہر منزل کا تجربہ کرتا جاتا ہے یہاں تک ترقی کرتے کرتے اپنے عینِ ثابتہ تک پہنچ جاتا ہے (عبارت میں عینِ ثابتہ کو بندہ کا مبدأ تعیّن کہا ہے۔ مترجم۔) اور پھر اس میں وہ فانی ہو جاتا ہے اور یہ نسبت اس کی ذاتی تجلّی ہوتی ہے اور اس طریق کو سلسلۂ ترتیب کہتے ہیں اور بندہ کی روش کو جو اس طریقہ میں وہ ایک مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ کو پہنچتا ہے سلوک کہتے ہیں اور اس طریق میں جو سلوک کی تکمیل کر لیتا ہے اگرچہ وہ پہلے طریق والے کے مقابلہ میں کمتر ہوتا ہے لیکن اس طریق میں سالک کو مراتب کے احوال کا سارا علم اور تجربہ ہوتا ہے جو پہلے والے طریق میں نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر پہلے والے طریق سے فیض یاب بندہ بھی ترتیب وار سلوک کی تعلیم حاصل کر لے اور اس کے بعد مطلوب تک پہنچ جائے تو اس کو مجذوب سالک کہتے ہیں ایک وجہ خاص اور استہلاک و فنائیت کے باعث اور طریقِ ثانی کے سالک کو سلوک کی تکمیل کے بعد سالک مجذوب کہتے ہیں۔ اور ان دونوں کو روحانی اقتدار کی دولت میسّر ہے اور مریدوں کی تربیت کے اہل یہ دونوں ہیں۔ (اس کے بعد کے فائدے میں اربابِ سلوک کے اقسام کا بیان ہے۔) ●●

فائدہ نمبر ۲۳

اربابِ صلاح و سلوک چار طرح کے ہیں ایک سالکِ مجرّد، دوسرے مجذوبِ مجرّد، تیسرے سالک مجذوب چوتھے مجذوب سالک۔ سلوک کی تکمیل کے لیے اکثر جذبہ شرط ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے ہم تک پہنچنے کی کوشش کی ہم نے انھیں اپنی طرف راہ دی۔ (یعنی ہدایت اللہ کے ذمّہ ہے۔) نہ کہ ہر وہ شخص جو سلوک اختیار کرے وہ مقصد کو پہنچ جائے۔ اور یقینی طور پر مطلوب کو پالے۔ بہت سے لوگ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہیں لیکن بحدِّ جذبہ نہیں پہنچتے۔

شعر: اے دوست بیاباں کو طے کرنے والے بہت ہیں لیکن اربابِ وصول کم ہیں۔ آثار واسباب کے ذریعہ سالک کو جو ترقی ملتی ہے

جذب الٰہی اس سے اتنا افضل ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ آثار و اسباب سے اپنا تقدم اور افضلیت بیان کرتی ہے۔

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی

عوارف کے دسویں باب میں کہتے ہیں: (اس کے بعد عربی عبارت میں چار قسم کے سالکین کا ذکر ہے اور ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہی باتیں ترجمہ عوارف سے نقل کی گئی ہیں جو فارسی میں ہیں۔ یہاں ذیل میں فارسی سے ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مترجم)

صاحب ترجمہ عوارف مرید و مراد اور سالک و مجذوب اور مرید کو مراد کی ضرورت کے بیان میں لکھتے ہیں کہ اہل تصوّف لفظ مرید اور مراد کو دو معنی میں لیتے ہیں۔ ایک مقتدی اور مقتدا، دوسرے محبّ و محبوب۔ مرید بمعنی مقتدی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دل کی آنکھ ہدایت کے نور سے دیکھنے لگتی ہے اور وہ اپنی کمی کو دیکھتا ہے اس وجہ سے کمال کے طلب کی آگ اس کی طبیعت میں بھڑکتی رہتی ہے اور اس کو قرار و سکون نہیں ہوتا۔ ہر وقت مراد کے حاصل کرنے کا ہی خیال رہتا ہے۔ مثلاً قربِ حق سبحانہٗ۔

اور جو اہلِ ارادت کے نشان سے موسوم ہوا وہ اگر سوائے حق سبحانہٗ کے دوکون میں کوئی اور مراد رکھے یا ایک لحظ کے لیے مراد کی طلب سے غافل ہو جائے تو اہم مراد اس کے لیے عاریتہً ہے۔ شیخ عبداللہ خفیفؒ کہتے ہیں کہ ارادت مراد کی طلب میں ہمت کو باندھ رکھنا ہے اور کوشش پر مداومت کرنا اور راحت کا ترک کرنا ہے۔

اور مراد یعنی مقتدا کا یہ مطلب ہے وہ ولایت کی قوّت اور تصرّف میں یہاں تک پہنچا ہوا ہو کہ ناقصوں کی تکمیل کر کے ان کو مرتبۂ تمکین تک پہنچا دے اور مختلف استعدادوں اور ارشاد و تربیت کے طریقوں کو اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھا ہو اور ایسا شخص یا سالک مجذوب ہوتا ہے اور تمام صفاتِ نفسانی کے مہلکات کو سلوک کے قدم سے فنا کر چکا ہوتا ہے اور جذباتِ الٰہی کی مدد سے اور مدارج قلبی (یعنی جذبِ مبتدی) اور معارج روحی (یعنی فنائے روحی) سے گزر کر عالمِ کشف و یقین تک پہنچ کر مشاہدہ و معاینہ کے مقام پر پہنچا ہو۔ یا اسے مجذوبِ سالک کہتے ہیں کہ اول جذبات کی امداد کی قوت سے مقامات کے بساط کو طے کیا ہو اور عالم کشف و عیاں میں پہنچا ہو اور اس کے بعد طریقت کے منازل و مراحل کو سلوک کے ذریعہ طے کیا ہو اور حقیقتِ حال کو علم کی صورت میں دریافت کیا ہو مرتبۂ شیخی اور مقتدائی کے اہل یہی دو طرح کے اشخاص ہیں۔

اور سالک ابتر کہ جو ابھی مجاہدہ کی تنگنائے سے مشاہدہ کی فضا میں نہ پہنچا ہو اور مجذوب ابتر کہ جو ابھی سیر و سلوک کی باریکیوں اور مقامات و منازل کی حقیقتوں اور ان کے مہالک اور خطرات سے واقف نہ ہوا ہو۔ یہ دونوں شیخوخت کے منصب کا استحقاق نہیں رکھتے اور مرید کی استعداد میں تصرّف کی ولایت اور طریقت کے قانون کے مطابق ان کی تربیت کا کام

اُن کے سپرد نہیں ہوا۔ یہ لوگ جو تصرّف بھی کرتے ہیں ان میں بھلائی سے زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔

اور مرید کے وجود اور اس کے استعداد کمال کی مثال بیضہ کی طرح ہے۔ کہ بیضہ کے اندر اُڑنے کی استعداد موجود ہے۔ اگر کسی بالغ مادہ مرغ کی حمایت و ہمّت کی تاثیر و تصرّف کو وہ قبول کرے اور اس کی طبیعت میں قوتِ تولید و تفریع کا ہیجان غالب ہو جائے اور ایک عرصہ تک اس کے اندر حیات روحی کا تصرّف اور پرواز کے کمال کی خاصیت نافذ رہے تو آخر کار بیضہ کی شکل کا لباس اُس سے دُور ہو جائے اور پرواز کی صورت کا لباس اس کو پہنا دے اور اس کی استعداد کو کمال تک پہنچا دے۔ (یعنی انڈے سے مرغی کا بچہ نکل آئے اور بڑھ کر بالغ ہو جائے۔) اگر اس مرغی کے انڈے پر کوئی ایسی مرغی بیٹھے کہ جس کے اندر ابھی اڑنے کی طاقت پیدا ہوئی ہو یا ابھی بلوغ کی حد تک نہ پہنچی ہو تو اگر وہ ایک مدّت تک اس انڈے پر بیٹھی رہے تو اس بیضہ کے اندر وجود فاسد ہو جائے گا اور بچّہ نہیں نکلے گا اور پھر وہ بیضہ قابلِ اصلاح نہیں رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی مرید صادق اپنے وجود کو کسی ایسے کامل شیخ کے تصرّف میں دے دے اور اس کا مطیع و منقاد ہو جائے۔ جو تکمیل کے مرتبہ تک پہنچ چکا ہو اور وہ سیر و سلوک اور جذبہ سے مکمل بہرہ مند ہو چکا ہو تو اس کے وجود کے بیضہ سے حقیقت کا مرغ باہر آئے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔ (صورت سے مراد احسنِ تقویم ہے۔ جس کی علمی صورت اللہ تعالےٰ کے ارادہ میں تھی۔ انسان کی صورت اسی احسن تقویم یا صورت علمی کا ظہور ہے۔ مترجم) اور وہ توالد و تناسل کے لائق ہو گا اور اگر سالک ابتر یا مجذوب ابتر کے تصرّف میں آئے گا تو انسانیت کے کمال تک پہنچنے کی استعداد اس میں فاسد ہو جائے گی اور وہ کمال تک نہ پہنچ سکے گا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ والدین کے ازدواج کے بغیر جس کا تعلق شہوت، فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر سے ہے۔ توالد و تناسل اور بقاءِ نوع کی صورت نہیں ہے کہ سنّتِ جاریہ الٰہی یہی ہے کہ ازدواج کے ذریعہ توالد و تناسل ہو اسی طرح عالمِ معنی، سرِّ حقیقت آدمی جو محض عبودیت ہے وجود میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ مرید و مراد میں ازدواج (رابطہ) محبت ہو اور مرید مُراد کے تصرّف کو قبول کرے۔ اسی کو ولادتِ ثانیہ کہتے ہیں جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اور اگرچہ فرزند کا وجود بے پدر کے قدرتِ الٰہی میں ممکن ہے۔ جیسے کہ وجودِ عیسیٰ علیہ السلام۔ لیکن حکمت میں ممتنع ہے۔ اسی طرح وجودِ مولودِ معنوی بے ازدواجِ مرید و مراد اگرچہ قدرتِ الٰہی میں ممکن ہے۔ جیسے کے بعض مجذوبان۔ لیکن حکمت میں متعذر

ہے ۔ یہ بھی ہے کہ بغیر باپ کے ولادت میں بہت
آفات متوقع ہیں ۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
ولادت جو بہت سے عیسائیوں کی گمراہی کا سبب
بن گئی اور وہ انھیں ابن اللہ کہنے لگے ۔ اسی طرح
اگر کوئی مجذوب بغیر کسی شیخ کامل و مکمل سے تربیت
سلوک پائے ہوئے صاحبِ کشف ہو جائے تو اس
کی وجہ سے دوسرے لوگ آفت میں مبتلا ہو سکتے ہیں ۔
مرید بمعنی محب سالک مجذوب کو کہتے ہیں

اور مُراد بمعنی محبوب مجذوب سالک کو کہتے ہیں اور
شیخوخت کے معنی کا بھی حامل ہوتا ہے ۔ کیوں کہ
محب وہ ہے جو مشاہدہ اور مکاشفہ سے قبل ریاضت
و مجاہدہ کی راہ سے گزر چکا ہو اور محبوب وہ ہے
کہ گزشتہ مجاہدہ کے دوران کشف کی حقیقت اس
پر ظاہر ہو چکی ہو ۔ اس لیے مُرید و مراد بوجہ اول
دونوں عین مراد ہی ہیں اور یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ جسے
چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے
اس کو جو توبہ و انابت کرتا ہے ۔ اجتباء مشیت
الٰہی ہے نہ کہ بندہ کا کسب ۔ اور شرطِ ہدایت جو کہ
مَن یُنیب (جو توبہ کرتا ہے) کا مقدمہ ہے جس
میں محب و محبوب کا بیان ہے کیوں کہ یہ مقدمہ انابت
کی علت ہے اور یہ یعنی توبہ و انابت بندہ کا فعل ہے تو
اس صورت میں اجتباء (یعنی انتخاب) محبوب کے حال کی
صورت ہے اور محب کے حال کا آغاز ہے اور محبان کی سیر
جس کے ذریعہ وہ مقامات کو طے کرتا ہے وہ بالترتیب
اور درجہ بدرجہ راہ سلوک میں حاصل ہوتا ہے اور جب تک
وہ ادنیٰ مقامات کو طے نہ کرلے اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتا

اس طرح مرتبۂ اولیٰ سے دوسرا مرتبہ، دوسرے سے تیسرا
مرتبہ اور تیسرے مرتبہ سے چوتھے مرتبہ تک بتدریج
ترقی کرتا ہے تاکہ سارے مقامات اس ترتیب و
تدریج کے ساتھ بذریعہ سلوک طے کرلے ۔ اس وقت اس
کا سلوک جذبہ میں متبدّل ہو جاتا ہے اور سیر سلوک
پروازِ سلوک اختیار کرتی ہے (یعنی رفتار میں اتنی تیزی آتی
ہے کہ پہلے اگر پاؤں سے چلتا تھا تو اب پَر سے اڑنے
لگتا ہے ۔ یہ مثال ہے ۔ مترجم) اور مجاہدہ مشاہدہ
تک پہنچتا ہے ۔ اور غیب شہود میں بدل جاتا ہے ۔ اس
مقام پر محبّان کو خلافت نامہ عطا کرتے ہیں اور شیخوخت
کا لباس عطا کرتے ہیں اور تصرّف و توجّہ کی اجازت
دیتے ہیں ۔ کیوں کہ یہ مرتبہ غیب و شہادت کے درمیان
واسطہ کا کام کرتا ہے ۔ اور اس مقام پر خدا اور خلق
اور بندہ کا وجود رحمٰن کے عرش کے مشابہ ہوتا ہے ۔
کہ اس کا ایک جانب عالمِ غیب کی طرف ہوتا ہے اور
دوسرا جانب عالمِ شہادت یعنی مخلوق کی طرف تاکہ
پہلی وجہ سے وہ عالمِ غیب سے رحمت کا فیض پائے اور
دوسری وجہ سے عالمِ شہادت یعنی خلق کی طرف پہنچائے
لیکن محبوبانِ حال کے آغاز ہی میں جذبہ کی
مدد سے راہ طے کرتے ہیں اور ایک ہی جذبہ میں سلوک کے
تمام مقامات کو طے کر لیتے ہیں ۔ اور اسی ایک جذبہ میں
محبّان کے تمام اعمال کا حاصل پا جاتے ہیں ۔ جذباتِ
حق سے ایک جذبہ عمل ثقلین کے برابر ہوتا ہے اس
لیے کہ تمام مقامات کا خلاصہ اُن کے صفائے حال میں

موجود ہوتا ہے اور ان کی روحانیت مقامات کی قیود سے نکل کر کشف و وجدان کی فضا میں آزاد ہو جاتی ہے۔ تقیّد عوام محبّان کے لیے ہے جو کہ ابھی عالم کشف کو نہیں پہنچے ہوتے ہیں اور ابھی ان کی سیر نفوس کی کی تاریکیوں کو دور کرنے میں لگی ہوئی ہے اور ہر مقام میں اُن کے مخصوص صفت کی تاریکی زائل ہوتی ہے۔ یہاں تک کے ان کے نفوس کی زمین پر ربوبیت کی تجلّی کا ظہور ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا قول ہے "زمین روشن ہو گئی۔ اس کے رب کے نور سے۔" مثلاً معصیت نفس میں ایک تاریکی ہے اور یہ توبۃ النصوح سے زائل ہوتی ہے۔ دنیا کی رغبت ایک تاریکی ہے اور یہ زہد سے زائل ہوتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی رزّاقی پر اعتماد کی کمی ایک تاریکی ہے اور یہ مقام توکّل سے زائل ہوتی ہے اور احکام الٰہی کو بجالانے میں طبیعت کی سستی ایک تاریکی ہے جو مقامِ رضا سے زائل ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ہر مقام کی تاریکی زائل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ نفوس کی تمام ظلمتیں سلوک کے تمام مقامات کو طے کرنے کے بعد زائل ہو جاتی ہیں اور یقین کے چہرے کا جمال تاریکی کے پردوں سے نمودار ہوتا ہے۔ (یعنی یقینِ کامل حاصل ہوتا ہے۔)

لیکن سلوک پر کشف کے تقدم کے سبب (یعنی سلوک کے بغیر کشف حاصل ہونے کے سبب) تمام ظاہری و باطنی منازل و مقامات کو سلوک کے ذریعہ قطع کیے ہوئے بغیر محبوبان کے نفوسِ نورِ یقین سے منوّر ہو جاتے ہیں اور نفوس کی صفات کی تاریکی اُن سے دور ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اُن کا وجود حق سے قائم ہے نہ کہ اُن کی اپنی ذات سے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مرید و مراد کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا: مرید وہ ہے جسے علم کی سیاست (سزا) سے گزرنا پڑتا ہے اور مُراد وہ ہے جو حق کی عنایت سے سرفراز ہوا ہو۔ مرید صاحب السیر ہوتا ہے۔ (یعنی وہ درجہ بدرجہ سلوک کو طے کرتا ہے) اور مُراد صاحب الطیر ہوتا ہے (یعنی وہ ایک آن میں سب مقامات کو طے کر چکا ہوتا ہے۔) اور پاؤں سے چلنے والا پَر سے اُڑنے والا کا ادراک نہیں کر سکتا۔

ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مُراد اپنے حال میں مست رہتا ہے اس کی حرکات اور کوشش حق تعالےٰ کے ارادہ سے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں اس طرح مشغول رہتا ہے کہ اُسے کسی کے دیکھنے یا نہ دیکھنے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور مرادِ محبوبِ مطلق سیدِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کی ذات ہے کیوں کہ وہی کائنات کا مقصود ہیں اور کائنات انھیں کے طفیل سے ہے۔ **لولاک لما خلقت الافلاک** انبیاء اور اولیاء میں سے کسی کو خلعت محبوبی نہیں دی گئی سوائے اُن کی ذات اور ان کے متبعین کے، کیوں کہ محبّی کے مقام سے

محبوبی تک پہنچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے کمالِ اتباعِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اے رسول آپ فرمادیں کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو تو اللہ تعالےٰ تمہیں اپنا دوست بنالے گا۔ اس لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کہ محبّی کا درجہ رکھتے تھے اور مرتبۂ محبوبی کے خواہش مند تھے، حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے اگر موسیٰ ابن عمران زندہ ہوتے تو اُن کے لیے بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ کی خواہش کی تو اُن کو آسمان پر اٹھالیا گیا تاکہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانۂ رسالت میں اُن کو پھر سے بھیجا جائے اور وہ اُن کی اتباع کے ذریعہ مرتبۂ محبوبی تک پہنچیں۔ کوئی بھی صرف محبّی سے حق تک نہیں پہنچتا سوائے محبوبی کے ذریعہ۔ کیوں کہ خدا تک خدا ہی کے ذریعہ پہنچا جاسکتا ہے۔ ابو علی دقّاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چوں کہ مُرید تھے اس لیے انھوں نے کہا کہ رب اشرح لی صدری اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم چوں کہ مراد تھے اس لیے حق تعالےٰ نے اُن سے کہا الم نشرح لک صدرک اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے کہا ارنی۔ جواب آیا: لن ترانی اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اللہ تعالےٰ نے خود کہا: الم ترا الی ربّک کیف مدّ الظّل۔

جان لو کہ خدا کی محبت کی مثال حقیقتِ مصطفوی کو جذب کرنے میں اسی طرح ہے۔ جیسے مقناطیس کی خاصیت لوہے کو اپنی طرف جذب کرنے میں ہے۔ اس نے اپنی صفتِ جاذبیت کو دوسرے لوہے کو بخش دیا جو اس کی طرف مجذوب ہوا۔ تاکہ اس سے پھر دوسرا لوہا خاصیتِ جذب حاصل کرسکے اور اپنے مجذوب میں صفت مقناطیسیت کو سرایت کرسکے۔ اسی طرح رُوحِ محمدی کے جو کہ محبوب و مجذوب اول ہے اس نے محبتِ قدیم کی مقناطیسیت کو ارواحِ مومنان میں جذب کے ذریعہ داخل کیا اور اپنے اطراف سے چند ہزار صحابہ کو اپنی طرف جذب کرلیا اور ارواحِ صحابہ سے ارواحِ تابعین اور ان سے علماء و مشائخین راسخ نے جذب کی خاصیت حاصل کی اور اس طرح سلسلۂ مریدی اور مرادی منظم ہوا اور ہر مرید مراد ہوگیا اور یہ صرف اثرِ برکتِ متابعتِ رسول علیہ السلام ہے۔ اس لیے جو شخص بھی کمال متابعت اور رابطۂ اتصال روحِ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے متصل ہوا اس کے اندر محبّتِ الٰہی کی خاصیت پیدا ہوگئی اور مرتبۂ محبوبی و مرادی کو پہنچ گیا۔ کیوں کہ ارواحِ مشائخ متابعت و محبت کے ذریعہ علی الترتیب روحِ نبی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے پیوستہ ہیں اور اس واسطہ سے خاصیتِ محبّتِ الٰہی سب میں سرایت

کر گئی۔ اس لیے ہر مرید جو کسی ایسے شیخ کامل سے پیوستہ نہیں ہے جو کلیتہً ارادۂ حق کے تابع ہو چکا ہو اور محبّتِ الٰہی کی خاصیت کسی دوسرے شیخ سے میراث پایا ہو، وہ ہرگز مرتبۂ مرادی و محبوبی تک نہیں پہنچ سکتا اور وہ مقامِ ولایت اور دوسروں میں تصرّف کرنے کا مقام نہیں پاتا۔ اس بیان سے مرید کو مراد کی احتیاج کا پتہ چلتا ہے۔

امامِ ربّانی مکتوبات جلد اول کے مکتوب ۲۹۲ میں لکھتے ہیں کہ: اس راہ کے سالکان دو حال سے خالی نہیں ہیں یا مُرید ہیں یا مُراد۔ اگر وہ مراد ہیں تو کیا کہنا طوبیٰ لھم اس کو انجذابِ محبت کی راہ سے حق تعالےٰ کشاں کشاں لے جائے گا اور اعلیٰ مقصود کو پہنچا دے گا اور ہر ادب جس کی اس کو ضرورت ہوگی با توسط یا بے توسط اس کو سکھا دے گا اور اگر اس سے کوئی لغزش ہوگی تو جلد اس کو متنبّہ فرما دے گا اور اس سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور اگر اس کو کسی پیرِ ظاہر کی احتیاج ہوگی تو بغیر اس کی کسی کوشش کے اس کی رہنمائی فرما دے گا۔ بالجملہ عنایت ازلی جلّ شانہٗ ایسے بزرگواروں کے حال کی کفیل ہے بے سبب اور با سبب ان کے کاموں کی کفایت فرمائے گا اور اللہ جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

اگر مُرید ہیں تو اُن کا کام بغیر کسی کامل و مکمّل پیر کے دشوار ہے۔ پیر ایسا چاہیے کہ جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرّف ہو چکا ہو اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ یاب ہو چکا ہو اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ و سیر فی الاشیاء کی تکمیل کر چکا ہو اگر سلوک قائم کرنے سے پہلے ہی وہ جذبہ سے مشرّف ہو چکا ہو اور بعد میں سلوک کی تکمیل کر لی ہو اور ہمّت والے مردوں کی تربیت میں لگا ہو تو وہ کبریت احمر ہے۔ اس کا کلام دوا ہے۔ اس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دل اس کی توجہ سے زندہ ہو جاتے ہیں اور افسردہ جانیں اس کے التفات سے تر و تازہ ہو جاتی ہیں۔ اور اگر ایسا صاحبِ دولت پیدا نہ ہو تو سالکِ مجذوب بھی مغتنم ہے اور ناقصوں کی تربیت کا وہ بھی اہل ہے اور اس کے توسط سے سالکین فنا و بقا کی دولت حاصل کر سکتے ہیں۔ شعر
آسمان عرش کے مقابلہ میں پست ہے۔ لیکن خاکِ زمین سے بہت بلند ہے۔

اور اگر عنایت خداوندی سے کسی طالب کو ایسا پیر کامل و مکمّل مل جائے تو چاہیے کہ اس کے وجود کو غنیمت جانیں اور اپنے کو کلیتہً اس کے سپرد کر دیں اور اپنی سعادت کو اس کی مرضی میں جانیں۔ اور اس کی مرضی کے خلاف کو اپنی شقاوت سمجھیں۔

امامِ ربّانی رسالۂ مبداء و معاد میں لکھتے ہیں کہ اس درویش (یعنی خود امام ربّانی) پر جو پہلے دروازہ کھلا وہ ذوقِ یافت (پانے کا ذوق) کا

دروازہ تھا۔ خود یافت کا دروازہ نہیں تھا (یعنی
ایک بارگی مقصد حاصل نہیں ہوگیا بلکہ مقصد
حاصل کرنے کا ذوق ملا) اس کے بعد یافت میسّر
ہوا۔ اور ذوقِ یافت مفقود ہوگیا۔ پھر تیسری بار
ذوقِ یافت کے رنگ میں غائب ہوگیا۔ اس میں
دوسری حالت کمال اور درجۂ ولایت خاصّہ کے
حصول کی حالت تھی اور تیسرا مقام تکمیل اور رجوع
الیٰ الخلق والدعوۃ کا مقام تھا۔ اور پہلا مقام
یعنی ذوقِ یافت جذبہ کی حالت میں تھا۔ تو جس نے
سلوک اختیار کیا اور تمام کیا تو اسے حالتِ ثانیہ
نصیب ہوی

۔اس کے بعد حالتِ ثالثہ ۔ مجذوب المجرد
عن السلوک کو حالتِ ثانیہ و ثالثہ سے کوئی حصہ
نہیں ہے۔ اس لیے کامل و مکمل مجذوبِ سالک پھر
سالک مجذوب ہیں۔ ان دو کے علاوہ جو ہیں وہ
کامل و مکمل نہیں ہیں۔ اس لیے تم قاصرین میں سے
مت ہونا۔ والصّلوۃ والسّلام علیٰ خیر البشر سیّدنا
محمدٍ وّآلہ الاطہر۔

اور قیصری مقدمۂ شرح قصیدۂ فارضیہ
میں محبوبوں کے متعلق لکھتے ہیں جب وصول الی اللہ
حاصل ہوگیا اس امید میں کہ رب تعالیٰ کی ازلی
عنایت جاذبہ بندہ کو حاصل ہوگی تو بندے کا حال
شروع میں صحو اور محو کے درمیان ہوتا ہے۔ محو
سے مراد سُکر ہے۔ یہ وہ حالت ہے کہ جب انسان پر
نازل ہوتی ہے تو اُس کی عقل غائب ہو جاتی ہے۔
اور اس سے ایسے اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں جس
میں عقل کا دخل نہیں ہوتا جیسے شراب کا نشہ۔ لیکن
اس نشہ میں اور شراب کے نشہ میں زمین و آسمان کا فرق
ہے۔ یہ سُکر محبت کا نتیجہ ہے۔ جو جذبہ اور توفیق و
عنایت سے ملتا ہے۔ اس میں کسب کا دخل نہیں ہے
اور یہ محبوبین کا حال ہے۔ محبین کا حال یہ نہیں ہے
پس ان کا انجذاب (یعنی محبین کا) سلوک و مجاہدہ
کے بعد ہوتا ہے جس کا ذکر ہم اپنے موقعہ پر کریں گے۔
قیصری کا بیان یہاں ختم ہوا۔

اس ضمن میں مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی
نے مکتوبِ مدنی میں تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں
کہ صوفیا کی پہلی حالت کو اسماء و صفات کا معشوق
قرار دیتے ہیں اور اسماء و صفات کے عکس کو (یعنی
اعیان و اکوان کو) عاشق قرار دیتے ہیں اور مرتبۂ
علیا ظاہرہ کو (یعنی احدیت کو (از قطبِ ویلور)) مجموعی
طور پر عشق قرار دیتے ہیں یہ صاحب اللمعات کی
اصطلاحات ہیں۔ (صاحب اللمعات سے غالباً
حضرت فخر الدین عراقی علیہ الرحمہ ہیں۔ مترجم)

اس مقام پر معشوق عاشق کی طرف نزول
فرماتا ہے اور اپنی طرف اسے جذب کر لیتا ہے۔ اس
وقت کہتے ہیں کہ سالک اپنے حال پر غالب ہے۔ اس کو
مجذوب و مراد اور محبوب کہتے ہیں۔ جس طرح حضرت
سیدنا ابراھیم علیہ السلام کے قصّہ میں ہے کہ عنایت..

کا جذبہ وجوبیت کے مراتب تک اس طرح ظاہر ہوا
جسے وہ دیکھ نہیں رہے تھے تو اس حد سے تجاوز کیا
اور ڈوبنے والے ستاروں کا تذکرہ کیا اور سمجھایا کہ
رب ان مخلوقی صفات سے پاک ہے اور عاشق ترقی
کرتا ہے یعنی اس کا عروج ہوتا ہے معشوق کی
طرف بدنی اور نفسانی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ
(یعنی تمام علائق دنیوی سے کنارہ کش ہوکر) تو اب
سالک کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے حال پہ غالب ہے۔ یہ سالک
مرید و محب ہے اور پھر معشوق نزول فرماتا ہے اور
عاشق عروج کرتا ہے، پھر دونوں درمیان میں جمع
ہوتے ہیں۔ اب اس سالک کو دونوں طرف سے جھکاتے
ہیں تو اب اس کو سالک مجذوب کہتے ہیں اور اسے
المحب والمحبوب، والمرید والمراد کہتے ہیں اور اس
کلام کے معنی کہ اللہ تعالےٰ کی ایک تجلّی ہے شخص اکبر
کے قلب میں اور بے شک یہ تجلّی انشراحًا حضیرۃ
القدس میں ہے (اس طرح شخص اکبر کا قلب حضیرۃ القدس
سے تجلّی حاصل کرتا ہے) اور اس کے لیے عکس ہے
ملاء اعلیٰ میں، تو ننانوے اسماء کی تجلّی اس پہ منطبق
ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر آن نئی شان ظاہر فرماتا
ہے اس تجلّی کے مطابق تو یہ تجلّی ان سب پہ ہوتی
ہے جو اس کے دائرے میں آتے ہیں اور اس کو
معشوق کہتے ہیں۔ کیوں کہ نفوسِ بشریہ اس طرف
اس طرح جذب ہوتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف
کھنچتا ہے اور ہم نے اس کا ذکر اس مقالہ کے درمیان
میں کیا ہے۔ اور سیر و سلوک کا اس پہ منتج ہونا اور
معشوق سے وصال یعنی قرب یہی صوفیا کا مقصد ہے
اور حقیقی اسباب کا فیض اس بندے تک پہنچ جاتا
ہے جس کو حق تعالےٰ منتخب کر لیتا ہے اور وہ اپنے
نفس سے جلد گزر جاتا ہے اور اس کا شعور نہیں ہوتا
کہ حق تعالےٰ کا ارادہ اس کے متعلق کیا ہے تو اس
کا نام داد ہے۔ اور اگر اس سے ریاضت بدنیہ
اور تجرید و تفرید مقصود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس
کی طبیعت کا اتصال ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو اسے مرید
کہتے ہیں اور اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ حق کی طرف سے
اسے منتخب کر لیا گیا ہے اور اپنے نفس کی ریاضت کا
بار بار اصرار محسوس کرتا ہے تو بعض افراد میں حق کا
غلبہ ہوتا ہے اور غیب سے اس میں القا ہوتا ہے اور
اسے وہ دو جہتوں میں سے ایک جہت سے محسوس
کرتا ہے تو وہ دو مرتبوں کا جامع ہو جاتا ہے اور
دو مشربوں کا امام ہو جاتا ہے۔ (اس عبارت کا خلاصہ
یہی ہے کہ پہلے اسے جذبہ میسّر ہوا پھر سلوک کو بھی
مکمل کیا۔ مترجم) تو ہم کہتے ہیں کہ اس پہ بعض
تجلّی کا غلبہ ہوا اور اس وجہ خاص سے وہ مجذوب
ہو گیا تو کہا جاتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں اسم
کا تحقق ہوا۔ اور کہا گیا کہ فلاں اسم کا رب متجلّی
ہوا (یعنی فلاں فلاں اسماء صفات کی تجلّی ہوئی
اور عارف اسکی اصل استعداد کو جو اعیانِ ثابتہ
میں ہے، سمجھ لیتا ہے) اور اسماء میں سے وہ اسم

جو پاتے ہیں اس سے وہ منسوب کرتے ہیں تو اسے اسم (یعنی اسم الٰہی) کے تعین کی حقیقت کہتے ہیں کے عبتر تک (یعنی اسم الٰہی کی صفات کا ظہور بندے پر ہوا ہے۔ اسی اسم کی مناسبت سے اس بندے کی حقیقت کا تعین کرتے ہیں اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ صفات کے تعین کا تحقق اس طرح ہوتا ہے کیوں کہ کائنات کی ہر شئے کسی اسم صفت کے تعین کا تحقق ہوتا ہے۔ مترجم) ترجمہ ختم ہوا۔

اب مترجم عرض کرتا ہے:

اوپر کی عبارت میں یہ ممکن ہے کہ کہیں کوئی لفظی ترجمہ زیادہ بہتر اور مناسب تر نہ ہو۔ لیکن کوشش کی گئی ہے کہ مفہوم درست ہو۔ اس اس پوری بحث کو پڑھنے سے قاری کو عجیب حیرانی ہوسکتی ہے کہ اس زمانہ میں خانقاہوں میں کہیں سلوک کی تعلیم نہیں ہوتی تو اوپر کی تحریر میں متعین کردہ شیخی کے لیے معیار اب ملنا مفقود ہے ایسی حالت میں عوام کیا کریں اگر کسی کے مرید نہ ہوں تو ایک ضروری سنّت سے محروم رہتے ہیں۔ اور دنیا میں مرید کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہی ہے۔ لیکن اس کا جو ثمرہ آخرت میں ہے مرید نہ ہونے پر اس سے محروم رہ جائے گا۔ اس صورت میں کم از کم اتنا ضروری ہے جس کا ذکر سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے کہ پیر کو بارہ عیوب سے پاک ہونا چاہیے وہ یہ ہیں:

غیبت[۱]، حسد[۲]، چغلی[۳]۔ جھوٹ[۴]، ریا[۵]، تکبر[۶]، حبِ مال[۷]، حبِ جاہ[۸]، ظلم[۹]، اکلِ حرام[۱۰]، عجب[۱۱]، بخل[۱۲]۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ارادتمند محض عقل سے کیسے سمجھ جائے کہ فلاں شخص ان عیوب سے پاک ہو۔ ہر عالم باعمل کے لیے ضروری ہے۔ وہ قرآن و حدیث سے ان باتوں کا علم حاصل کرتا ہے اگر وہ اس پر عمل کرتا ہے تو وہ عالمِ باعمل یا زاہد کہلاتا ہے اور یہ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ دل میں خوفِ خدا نہ ہو۔ تو گویا زُہد کا تعلق خوف سے ہے اور خوف بندے کی صفت ہے۔ یہ اللہ کی صفت نہیں ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اپنے اندر اللہ کی صفات پیدا کرو۔ اللہ کی ایک صفت عشق ہے۔ عشق کا لفظ قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن محبت جب بہت زیادہ ہو تو اسے عشق کہتے ہیں۔ محبت کی صفت اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ یحبونہ ویحبھم: وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اُن سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت لامحدود ہے اس لیے محبت بھی لامحدود ہے تو اس محبت پر بدرجۂ اولیٰ عشق کا اطلاق کہہ سکتے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ عشق اللہ کی صفت ہے تو جو بندہ اللہ سے محبت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی صفت عشق و محبت سے موصوف ہوا۔ اور عشق ایسی صفت ہے جو تمام

بُرائیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ بقولِ مولانا رومؒ ؎

ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد
او ز حرص و عیب کلّی پاک شد

(ترجمہ: جس کا لباس عشق سے چاک ہوا وہ حرص و عیب سے کلّیتہً پاک ہو گیا۔)

اور اگر ایسا نہ ہوا تو ابھی وہ عشق کی حد میں داخل نہیں ہوا۔ جب اللہ تعالےٰ کا عشق بندے پر مستولی ہو جاتا ہے تو بندہ دُنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس سے بڑی دولت اور کوئی نہیں ہے۔ کہ جس کی طمع کی جا سکے۔ عشق کے آثار یقیناً اس سے ظاہر ہوں گے اور جو شخص ایسے پیر کا مرید ہو گا اور پیر سے وہ عشق کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مرضی کو اس کی مرضی میں گم کر دے۔ تو یقیناً اس عشق کی لذّت سے فیض یاب ہو گا ایسا پیر اُس کے خلفاء سے بآسانی پہچانا جا سکے گا۔

کیوں کہ خلیفہ اس کا نائب اور اس کی صفات کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ جذبہ بغیر سلوک کے بھی متوقع ہے۔ شرط یہ ہے کہ آدمی مُرید ہو اور اس کا پیر جذبۂ عشق سے بہرہ مند ہو اور مرید پیر کا عاشق اور متّبع ہو۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسا پیر تمام دنیاوی حاجات سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ مرید کا حاجت مند نہیں ہوتا۔ مرید اس کا حاجت مند ہوتا ہے۔

یہاں جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ یہ "جواھر السلوک" کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم باعمل جو جذبۂ عشق سے خالی ہو مراد کے قابل نہیں ہوتا۔ بقول حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کہ مراد کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں۔ اول علم بقدر ضرورت دوسرے عقل اور تیسرے عشق۔ علم مدرسوں سے حاصل ہوتا ہے اور عقل و ادب تعلیم کے ساتھ محبت سے اور عشق مُرشد سے۔ ●●

جواہر الحقائق

تصنیف لطیف

ماہرِ علومِ دینِ طریقت، واقفِ رموزِ معرفت و حقیقت حافظِ قرآن مجدّد مجذوب حضرت **شاہ محی الدین**

سید شاہ عبداللطیف نقوی قادری المعروف بہ **قطبِ ویلور** قدس سرہٗ العزیز المتوفی ۱۲۸۹ھ

نوادر الدقائق ترجمۂ جواہر الحقائق

ترجمہ و تشریح

ڈاکٹر حکیم مولوی سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی ۔ شفاء ڈسپنسری ۔ گڈیا تم

سُبحٰنَکَ لَا عِلمَ لَنَآ اِلّا مَا عَلَّمتَنَآ اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیمُ

حمد تیری اے خدائے لم یزل ۔ ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل

نام تیرا میرے دل کی ہے دوا ۔ ذکر تیرا روح کی میرے شفا

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا ۔ دوستو زندگی کا پیام آگیا

آپ کی مدح انساں کیا کرسکے ۔ عرش سے جب درود و سلام آگیا

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے اور ہزاروں بار درود و سلام اس دربارِ گہربار خلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات محسنِ اعظم، فخرِ آدم سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر جن کے طفیل و بدولت اسلام کا بول بالا ہوا اور شرک و ضلالت کا منہ کالا ہوا۔

الحمد للہ زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ جواہر الحقائق" کی یہ دسویں قسط ہم آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو جواہر الحقائق کے فائدہ نمبر ۵ کے کچھ ہی حصہ کا ترجمہ ہے۔ چوں کہ پانچواں

ہی رہیں گے۔

اور اس معنی میں یہ آیت بھی ہے "اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ" (بارگاہِ ربّ العزّت کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا۔) یعنے ارواحِ کاملہ طاہرہ چڑھتے ہیں اور اس سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنۡہُ اسۡمُہُ الۡمَسِیۡحُ: یعنی بے شک اللہ تعالےٰ تجھ کو (حضرت مریم علیہا السلام کو) بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے۔

ونیز اس معنی میں یہ آیت بھی وارد ہوئی ہے وَکَلِمَتُہٗۤ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡہُ۔ یعنے (یہ عیسٰی) اللہ کا کلام ہے۔ جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی۔ یعنی یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مخلوقِ خدا ہیں۔ خدا نہیں ہیں بلکہ غیر خدا ہیں اور وہ روح اللہ ہیں (اس سے مسیحی عقائد کی صاف تردید ہو رہی ہے۔)

انجیلِ یوحنا

"انجیل یوحنا" کے پہلے باب میں خود آیا ہے کہ حضرت مسیح کلمۃ اللہ اور خدا کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور موجودات کو اسی کے کلمات کہنا چاہیے جو کہ انسان کے لفظی کلمات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ کیوں کہ موجودہ انسان سے مراد ہے نفسِ رحمانی میں پیش آنے والے واقعات کے تعینات پھر نفسِ رحمانی کا مقصد بھی وجود کا انبساط و امتداد یعنے پھیلنا اور لمبا ہونا ہی ہے۔ جو اٹھائیس [28] عدد کلّیہ کے مراتب پر اس کے گزرنے کے سبب سے ہے۔

کلماتِ لفظی کلماتِ عقلی معانی

چناں چہ لفظی کلمات سے انسانی نفس میں پیش آنے والے تعینات مُراد ہیں۔ جو کہ اٹھائیس عدد عربیہ کے مخارج پر اس کے گزرنے کے واسطہ سے ہے۔ اور جیسا کہ موجودات دلالت کرتے ہیں (ثبوت پیش کرتے ہیں) اپنے موجد پر اور اس کے اسماء صفات اور کمالات پر بھی۔ ان جیسے کلمات عقلی معانی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور اس طرح موجودات اور کلمات میں سے ہر ایک بھی کلمہ "کُن" کے ساتھ موجود ہے۔

پس یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان موجودات پر کلمہ کا اطلاق) یہ گویا مُسَبَّب پر سبب کے نام کا اطلاق ہوتا ہے مثل نام کے اور ادیبوں کے نزدیک انسان کی زبان سے جو لفظ نکلتا ہے یہی نام تسمیہ کہلاتا ہے (اور عرفِ عام میں بالخصوص قراء اور نحویین کے نزدیک "تسمیہ" بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کو کہتے ہیں۔) ایسا ہی کتاب "شرح الفصوص" اور "نقد النصوص" میں آیا ہے۔

اور یہ (موجودات) وہاں ارادے کے اوپر ہوتے ہیں۔ یعنی "فوق المشیئت" ہوتے ہیں تو یہاں "تحت المشیئت" یعنے ارادے کے نیچے ہوتے ہیں۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی رائے سے اختلاف

اللہ تعالیٰ کے ارادے کے بارے میں صاحب انسانِ کامل شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے خیال کی مخالفت کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ اپنی کتاب "انسانِ کامل" کے اٹھارویں [18] باب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ارادۂ الٰہی جو مخلوقات کے لیے خاص ہے یہ ہر

فائدہ بہت طویل ہے اس لیے اس پورے فائدہ کا ترجمہ مشکل ہے۔

ان شاء اللہ اگلی قسطوں میں دعا فرمائیں یہ خدمت بھی باحسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور اس کے اندر آسانی عطا ہو۔ آمین!

اس ترجمہ کے تعلق سے عرض ہے کہ اس کے اندر اتنی رعایت اور کوشش کی ہے کہ ترجمہ لفظی اور بامحاورہ ہو اور جہاں عبارت دقیق اور مشکل ہوتی ہے، وہاں عبارت کا خلاصہ یا حاصلی ترجمہ کر دیا ہے پھر بھی بعض مشکل اور ادق الفاظ کے افہام و تفہیم میں دشواری محسوس ہوتی ہے تو حتی الوسع توسین کے اندر اس کی تسہیل کر دی ہے۔ جو راقم الحروف مترجم کی طرف سے خفیف اضافہ اور فائدہ ہے اور جہاں تشریح کا مستقل عنوان ہے وہاں مترجم کی جانب سے تفہیم و تشریح کی ایک ادنیٰ کوشش سمجھیں۔

زیرِ نظر کتاب "نوادر الدقائق" ترجمہ "جواہر الحقائق" کی یہ **دسویں قسط** الحمد للہ درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔

۱۔ اشیائے معقولۂ محسوسہ۔
۲۔ فرقِ علمی۔ فرقِ وجودی۔
۳۔ نفی علامات اور اثباتِ علامات۔
۴۔ کلماتِ معنوی اور کلماتِ خارجی۔
۵۔ انجیل یوحنا۔
۶۔ کلماتِ لفظی کلمات عقلی معانی۔
۷۔ حضرت محی الدین ابنِ عربی کی رائے سے اختلاف۔
۸۔ عظمتِ الٰہی کے تقاضے۔
۹۔ تقدیر پر علمائے محققین کی آراء۔
۱۰۔ تشریح مترجم۔

کتبہٗ: حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی

پچھلی نویں قسط میں "مکتوب مدنیؒ" کے حوالے سے حضرت شیخ المشائخ قطبِ ویلور قدس سرہٗ نے نفس رحمانی اور نفس کلیہ پہ کلام فرمایا تھا۔ اب اسی صاحب کتاب مکتوب مدنیؒ کے حولہ سے آگے ارشاد فرماتے ہیں:

اشیائے معقولہ محسوسہ

صاحب مکتوب مدنیؒ نے فرمایا کہ اشیائے معقولہ محسوسہ (یعنی وہ ارواح جو عالمِ مثال اور عالمِ اجسام سے تعلق رکھتے ہیں) یہ ماہیت میں پہچانے جاتے ہیں اور یہ وجود پر بڑھی ہوی خصوصیت بھی رکھتے ہیں اور وہ امور جو گھوڑا، انسان، گدھا اور خچر وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں اور وہ اشیاء جنھیں ہم اپنے دلوں میں بٹھالیں سوچ لیں۔ ان سب کے بھی کچھ نہ کچھ (بقدر ضرورت) احکام اور علامتیں متعین اور مقرر ہیں۔

و نیز صاحب مکتوب مدنیؒ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ ان کے اندر کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو وجود (ذات) میں مشترک پائی جاتی ہیں اور وہ اس معنی اور مطلب میں ہیں کہ ان سے نیست و نابود، معدوم اشیاء کو معلوم کیا جاسکے، پہچانا جاسکے اور وہ اس طرح سے کہ مثلاً جب ہم کسی تثلیث اور تکوینی چیز کا تصوّر کریں جب کہ یہ سمجھتے

بھی ہیں کہ اس چیز کا کوئی وجود اور شکل نہیں ہے پھر بھی ہم نے
اس مُثلّث چیز کا تصور کیا اور سمجھا کہ وہ موجود ہی ہے
(تو اس سے یہ بات سمجھ میں آئی) اور نتیجہ نکلا کہ) بے شک
یہ دوسرا تصوّر و خیال نے پہلے والے تصوّر و خیال میں فرق
کردیا۔ پھر یہ فرق اور جُدا کرنے والی چیز ہی اصل میں وجود
کہلاتی ہے اور یہ وجود ہی (درحقیقت) ان اشیاء میں
قابلیت اور فاعلیت کا مبدأ قرار پاتا ہے۔

فرقِ علمی و فرقِ وجودی

غرض اس جگہ علمی فرق ہے تو
اس جگہ وجودی فرق ہے اور اُس میں عقلی تعدّد ہیں تو
اِس میں وجودی تعدّد ہیں اور اُن میں باطنی وجود ہیں۔
کیوں کہ معلومات کو حق تعالےٰ شانہٗ کی ذات کے سوا
تحقق وثبوت نہیں ہے۔ اور اِن میں وجودِ ظاہری ہے کیونکہ
مصنوعات (بنائی ہوئی چیزوں) کو بنانے والی ذات حق
سبحانہٗ و تعالیٰ کے خارج میں ظہور و ثبوت موجود ہے اور
وہاں وہ ممکن بالذات ہیں اور یہاں واجب بالغیر ہیں۔

نفی علامات اور اثبات علامات

اور وہاں (ظاہری)
علامتیں (اور شکل وصورتیں) موجود ہی نہیں ہیں۔
چنانچہ (ہم اگر آگ کا تصور کریں تو اس تصوّر سے آگ کا
علم تو ہوا مگر) اس کی حرارت کا اثر اور جلانے کی قوت
اس کے اندر سرے سے موجود ہی نہیں ہے اور (برخلاف
اس کے) جب یہاں یہ اپنی علامتوں کے ساتھ متصف
ہوتے ہیں تو موجودہ آگ میں اس کی حرارت کا اثر بھی ہوتا ہے
اور جلانے کی قوت بھی اور وہاں اس کی مثال ایک شخص کے
مانند ہے تو یہاں سایہ کے مانند ہے۔ وہاں یہ مُظہر (ظاہر کئے
ہوئے) ہیں تو یہاں یہ مَظہر ہیں (نظارے ہیں) کیونکہ بنانے
والے (خالق و پروردگار) کی معلومات کے نظارے اور مشاہدے
یہ بنی ہوئی اشیاء سے ہوتے ہیں اور یہ وہاں متقدم ہیں تو
یہاں موخر ہیں اور وہ وہاں قدیم ہیں تو یہاں زمانہ کے حدوث
و ظہور سے حادث اور نئی ہیں۔

اور یہ وہاں ذاتی تقدم و تاخر رکھتے ہیں تو یہاں
زمانے کے اعتبار سے تقدم و تاخر رکھتے ہیں۔ (یعنی زمانی
تقدم و تاخر رکھتے ہیں)

کلماتِ معنوی اور کلماتِ خارجی

(اشیائے معقولہ محسوسہ
یعنے وہ ارواح جو عالمِ مثال اور عالمِ اجسام سے تعلق رکھتے
ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن سے متعلق مثالات پیش کرتے
ہوئے حضرت قطبِ ویلورؒ فرماتے ہیں۔)

اور وہاں معنوی کلمات ہیں تو یہاں خارجی
کلمات ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں آیا ہے: "قل
لو کان البحر مدادًا لکلمٰت ربی لنفد البحر
قبل ان تنفد کلمٰت ربی" (آپ فرمادیجیے اگر
دریا سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں، بے شک دریا
خرچ ہو چکے لیکن ابھی پوری ہوتیں میرے رب کی
باتیں۔ مطلب یہ کہ یہ سارے سمندر کا پانی روشنائی میں
تبدیل ہو جائے اور سارا سمندر لکھتے لکھتے ختم ہو جائے
سوکھ جائے مگر میرے رب کے کلمات پھر بھی باقی کے باقی

حالت اور ہیئت پر واقع ہوتا ہے۔ بغیر کسی علت اور سبب کے بلکہ یہ محض خدائی اختیار ہے۔ (جو مختار کل ہونے کی حیثیت سے صادر ہوتا ہے۔) کیوں کہ یہ ارادہ عظمت الٰہی کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور اوصاف اُلُوہیّت میں سے ایک وصف ہے۔ پس اُلُوہیّت اور اس کی شانِ عظمت خود اس میں بنفسہٖ (اور بذاتہٖ) موجود ہے۔ علّتہً اور سبباً نہیں ہے۔

یہ بات حضرت امام محی الدین ابنِ عربیؒ کی رائے کے خلاف ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو مختار کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کرتا ہے۔ بلکہ عالم کے تقاضے کے مطابق ہی اپنی ذات سے کرتا ہے اور بنفسہٖ عالم کے تقاضے اور ضروریات بھی نہیں ہوا تے مگر اس سبب سے جو اس پر منحصر ہیں۔ سو اس اعتبار سے (اللہ تعالےٰ کی ذات) مختار نہیں ہوئی۔
یہ حضرت امام محی الدین ابن عربیؒ کی باتیں ہیں جو اُن کی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" میں موجود ہیں۔

عظمتِ الٰہی کے تقاضے

مگر علمائے محققین نے ان کی (ان باریک نکتوں، نازک اشاروں اور رازدارانہ باتوں پہ کلام کیا اور مخالفت کی اور ان پر کامیابی حاصل کر لی ارادہ کی روشنی میں اور جن باتوں میں) کامیابی حاصل ہوئی ہے انھیں اختیار کر کے ابنِ عربیؒ کی ان باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا اور سب عظمتِ الٰہی کے مقتضیات و تقاضے اور ارادے) تھے اور بلا شبہ ہم نے کامیابی حاصل کی ان (باریک، عمیق اور دقیق) باتوں میں جن سے کامیاب (اور فیض یاب) ہوئے ہم۔

پھر اس کے بعد ہم عزت کی تجلی کے آگے سرنگوں ہو گئے (اور سر کے بل گر گئے) اس بات پر کہ وہ ذات سبحانہٗ و تعالےٰ تمام اشیاء میں مختار ہے اور ان میں پوری طرح تصرف بھی کرتی ہے اپنی قوتِ ارادی کے اختیار کے حکم سے صادر بھی ہوتی ہے۔ نہ تو کسی ضرورت سے اور نہ کسی غرض سے۔ بلکہ یہ شانِ الٰہی ہے اور وصفِ ذاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ اپنے کلامِ پاک میں خود ہی اس کی صراحت و وضاحت فرماتے ہیں۔ کہ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (اور آپ کا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اختیار بھی دیتا ہے۔) پس وہ قدرت والا بھی ہے۔ مختار بھی۔ عزت والا بھی ہے۔ جیسا کہ بھی۔ انتہیٰ (انسانِ کامل)

تقدیر پر علمائے محققینؒ کی آراء

اور صدرائے شیرازیؒ اپنے رسالہ "قضا و قدر" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "بعض محققین نے فرمایا ہے کہ کیا ہو گیا ہے لوگوں کو کہ ظلم و ستم کو کسی مجازی بادشاہ کی طرف منسوب کیوں نہیں کرتے؟ جب کہ وہ اپنے تصرف و ارادے کے تحت کسی کو وزیر قریب بناتا ہے۔ (اور پرسنل پی۔ اے بنا کر قربت و نزدیکی کا دروازہ اس کے لیے کھول دیتا ہے۔) اور بعض کو بھنگی، خاکروب، اور جلاد بنا کر اپنے سے دوری (مہجوری) کی راہ پر رکھتا ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں باتیں (قربت و نزدیکی اور دوری و مہجوری) (کی) اس کی مملکت و بادشاہت کے ضروریات میں سے ہیں۔

(ان کے بغیر مملکت وحکومت کا نظام ٹھیک طور پر نہیں چلے گا بلکہ درہم برہم ہوکر رہے گا۔ اس لیے نرمی بھی چاہیے سختی بھی۔ گرمی بھی چاہیے سردی بھی، تاریکی بھی چاہیے روشنی بھی، علم بھی ہو، جہل بھی ہو، عدل بھی ہو اور ظلم بھی ہو۔)

(ان حقائق ومسلّمات کے باوجود حیرت ہے ان لوگوں پر جنھوں نے دنیوی بادشاہت اور مملکت کے لیے تو یہ تسلیم کرلیا کہ اعلیٰ عُہدہ اور ادنیٰ عُہدہ، اونچی پوزیشن اور نچلی اور حقیر پوزیشن دونوں اس کے دربار کے لیے سزاوار ہیں بلکہ ضروری ہیں۔ لیکن افسوس کہ) بارگاہِ الٰہی کے نظام میں کسی ادنیٰ اور نیچ مقام کے شخص کو دیکھ کر یا خود وہی شخص یہ اعتراض کر بیٹھے کہ باری تعالےٰ کا مجھ پر ظلم ہے۔ گویا وہ خود کو مظلوم سمجھتے ہیں) اور اللہ تعالےٰ کی طرف اس ظلم کو منسوب کرکے اللہ تعالےٰ کو ظالم قرار دینے میں پیچھے نہیں ہٹتے (اور اس طرح اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔) خاص کر اس کے ہر ادنیٰ غلام اور حقیر بندہ کے حق میں (ان لوگوں کے یہ تاثرات ہوتے ہیں) جب کہ یہ دونوں مراتب (اونچ نیچ برتری اور ابتری کے) اپنی جگہ ضروری ہیں۔" انتہیٰ۔

(رسالہ قضاء وقدر)

تشریحِ مترجم

یہاں قضاء وقدر اور تقدیرِ الٰہی کی باریک باتیں آگئی ہیں، جو یقیناً ایک بندے کو اس کے اندر الجھنے اور زیادہ تفصیل میں جانے سے احتیاط برتنے کا حکم ہے بہت سے حضرات اس کے اندر بھٹک گئے اور گمراہ ہوگئے اس لیے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سخت تاکید فرمائی ہے کہ تقدیر کے مسئلہ پر زیادہ گفتگو نہ کی جائے ورنہ بھٹک جانے کا قوی اندیشہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ تقدیرِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک تقدیرِ مُبرَم۔ دوسری تقدیرِ مُعلّقہ۔ اب تقدیرِ مُبرَم یہ ہے کہ وہ ارادۂ الٰہی کا آخری فیصلہ ہے اور حتمی ارادہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر پھر کسی قسم کے ردوبدل کی گنجائش نہیں رہتی ہے برخلاف اس کے تقدیرِ مُعلّقہ ہے۔ اس کے اندر ردوبدل کی لفظِ استثناء (اِلاَّ۔ اِنْ۔ لَوْ یعنے اگر مگر) کے ساتھ گنجائش رہتی ہے۔ جیسے اگر اس نے کوئی تدبیر کی، دوائی لی یا کسی بزرگ وعالم سے دُعائیں لیں یا کسی نیک کام اور عمل سے مثل صدقہ وخیرات کے ذریعہ اور واسطہ سے کام لیا تو اس کی یہ آفت ومُصیبت اَٹَل اور لَمْ یَزَلْ سے ہٹ کر ٹَل سکتی ہے، بدل سکتی ہے۔ بقولے حدیث "لَایَرُدُّ الْقَضَآءَ اِلاَّ الدُّعَآءُ" یعنے موت جو یقینی ہے اور آنے والی ہے، اُسے کوئی چیز روک نہیں سکتی مگر دعاء ایک ایسی چیز ہے جس میں موت کے وقت کو ٹال دینے اور اور ہٹا دینے کی تاثیر موجود ہے۔ جس کے ذریعہ موت جیسی گھڑی ہٹ سکتی ہے، آفت ٹل سکتی ہے۔ مُردنی زندگی سے بدل سکتی ہے اور ایک نئی زندگی مل سکتی ہے اور یہ سب کچھ احکامات لفظ استثناء اِلاَّ (مگر) کے ساتھ معلّق اور جُڑے ہوئے ہیں۔

اور اگر کوئی تدبیر نہیں کی، دوائی نہیں لی، یا دعائیں اور خیر خیرات نہیں کی تو پھر یہ مُصیبت ٹلے گی نہیں بلکہ اٹل اور لم یزل ہی ثابت ہوگی یہی مفہوم ومطلب

ہے تقدیرِ معلّقہ کا۔

پھر تقدیرِ معلّقہ کو تدبیر اسباب کے ساتھ ایک خاص نسبت و تعلق ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے تقدیر کے ساتھ تدبیر کو ضروری جانا ہے اور اس کی ہدایت کی ہے کہ بندہ کو تدابیر کے اپنانے اور اختیار کرنے کی ہر حال میں کوشش ضروری ہے۔

مثالاً عرض ہے کہ کسی نے درخت کا پودا لگایا تو اس کی حفاظت اور نشو و نما کے لیے جو ضروری تدابیر ہوتے ہیں۔ ان کا اپنانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ وہ پودا یا تو سوکھ جائے گا یا دوسروں کی نذر ہو جائے گا۔ پھر پودا لگانے کے بعد اس میں کھاد کا ڈالنا، پانی کا پہنچانا اور اس کے اطراف باڑھ لگانا یہ سب احتیاطی تدابیر تھے۔ جہاں پودا اگانے کی ضرورت پڑی، وہیں ان احتیاطی تدابیر کو کام میں لانا بھی ضروری ہوا۔

اب اگر سارے تدابیر تو کر دیئے۔ مگر دیکھ بھال کے لیے کسی مالی کا تقرر نہیں کیا تو ایسی صورت میں اس کے چوری ہو جانے کا بھی قوی اندیشہ ہے کہ لوگ دیکھیں گے یہاں کوئی نگران کار تو ہے نہیں۔ چلو اس کو اکھاڑ پھینک دیں گے یا اپنے ہاں منتقل کر لیں گے۔ اطراف میں باڑھ یا کانٹے دار کھپی نہ لگانے پر کسی جانور کے کھا جانے اور اپنی غذا بنوا لینے کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح مال و زر اور دیگر قیمتی اشیاء کے حفاظتی تدابیر اور اقدامات مثلاً الماری، ٹریزری، وغیرہ میں رکھ کر مُقفّل کرنے کے بعد ہی اللہ پر بھروسہ کرنا ہے۔ اگر یوں ہی کھلے طور پر سرِ راہ یا برسرِ عام رکھ دیں اور اپنے طور پر اس کی حفاظت بھی نہیں کی اور حتی المقدور حفظِ ماتقدم کی کوئی تدبیر بھی نہیں کی تو یقین مانیئے کہ یہ اسباب آپ کے ہاتھ نہیں لگیں گے۔

غرض ان سارے احتیاطی تدابیر کے کر لینے کے بعد ہی اب انسان کو اللہ پر اعتماد و بھروسہ کرنا ہوگا کہ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اور وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ بھی یہی ہے۔ اور آگے اپنی تقدیر پر شاکی نہیں بلکہ شاکر رہنا ہوگا۔

اور اگر ایسا نہیں کیا، بلکہ پودا تو لگا دیا مگر نہ تو اس کے لیے پانی فراہم کرتا ہے اور نہ غذا کھاد وغیرہ نہ باڑھ لگوائی اور نہ مالی کی رکھوالی کی تو یقین جانیئے گا کہ اس کا یہ پودا ہفتہ عشرہ کے اندر ہی اندر نیست و نابود اور ہبائے منثورا بن کر رہ جائے گا۔ اب اپنی اس تقدیر پہ شاکی رہنا یہ "خود کردہ را چہ علاج" اپنے کئے پر پچھتاوا ہے۔

اور اسی کو قرآن کی زبان میں سنیئے! ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (یہ تو اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اپنے ہاتھوں سے بربادی مچائی ہے) کے مترادف ہے۔

یہ دنیا دار الاسباب ہے۔ یہاں ہمارے مُسبّب و کارساز نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ہم اپنے تمام دنیوی، اُخروی معاملات میں اسباب و ذرائع اور تدابیر کو اپنائیں اور کام میں لائیں۔ بغیر تدابیر و ذرائع کے اختیار کئے ہمارا کوئی کام بھی مکمل اور صحیح طور پہ واقع نہیں ہوگا۔ حتّٰی کہ دینی معاملات میں بھی کسی کی شاگردی، کسی کی جرعہ کشی

اور کسی کی حاشیہ برداری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہی ظاہری اسباب ہیں اور انھیں کو اپنانے اور اختیار کرنے کی ہدایت ہے۔

دیکھیے کسی کو فارین جانا ہے یا حج کو جانا ہے تو اس کے لیے پہلے پاسپورٹ آفس، میڈیکل آفس، ویزا آفس اور کسٹم آفس وغیرہ کی چکّر کاٹنی پڑتی ہے۔ پھر اُن کے فارموں کی خانہ پُری کے بعد انتظاری کی گھڑیاں کاٹنی ہوں گی۔ پھر ان سب ظاہری تدابیر و اسباب کے مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ پر اعتماد و بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔ کہ ہم نے ان سب ظاہری اسباب و وسائل کی پوری کارروائی حسب قانون و ہدایت مکمل کرلی ہے اب آگے اللہ کا ارادہ اور مرضی ہے۔ یہی "تقدیرِ مُعلّقہ" کی دوسرے الفاظ میں تشریح ہے۔ اگر ہم نے ان سب اسباب و تدابیر پر عمل کرلیا تو اب اللہ تعالےٰ کے لکھے (تقدیر) پر شاکر رہنا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اونچ نیچ، برتری، ابتری، اچھائی اور برائی میں تقدیرِ الٰہی پر شکوہ و شکایت زبان پر لانا یہ کہاں تک صحیح ہے؟ — اس کے متعلق بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ سب نظامِ فطرت کے مُقتضیات ہیں اور ہر شخص اور ہر چیز کا اس کی فطرت اور طبعی تقاضوں کے تحت ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کائنات کے خالق و پروردگار اور حاکمِ مُطلق کے علم کے مطابق ہی ہر شئے کے مدارج ترتیب پاتے اور عمل میں آتے ہیں۔

مملکت کے لیے ایک بادشاہِ وقت کے تقاضوں کے مطابق ہی جہاں عدل و انصاف کے لیے ایک حاکم و عادل کی ضرورت ہوتی ہے وہیں ظلم و استبداد کے لیے ایک ظالم جلّاد کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اپنی رہائش اور قیام گاہ کے لیے جہاں عمدہ عمارات، محلّات خوب صورت ہال کمرے، طرح طرح کے بالین اور ریشمی قالین کی ضرورت ہوتی ہے وہیں حمام، پیشاب خانے اور پاخانے کی جگہ بھی مخصوص ہوتی ہے۔

جس محل یا معمولی مکان میں بھی بیت الخلاء (ٹائیلٹ) نہ ہو وہ مکان یا محل چاہے کتنا ہی خوب صورت ہو عالی شان ہو لیکن وہ یا تو ناقص ہے یا ناقابلِ استعمال ہے۔ جس مدرسہ یا مسجد میں بیت الخلاء نہ ہو وہ مسجد اور مدرسہ ضروریاتِ زندگی سے خالی ہونے کی وجہ ناقص ہی ہے، کامل و مکمل نہیں ہے۔ اس کے اندر بہت بڑا نقص ہے خامی ہے۔ اور جس مکان میں بیت الخلاء نہ ہو وہ استعمال کے لائق نہیں ہے تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ مسجد کی خوب صورتی، مدرسہ کی خوب صورتی محل اور مکان کی خوب صورتی میں بڑی حد تک بیت الخلاء (ٹائیلٹ) کو بھی دخل ہے، جو راحت و آرام کا مکمل طور پر سبب بنتا ہے ورنہ نہیں۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ بیڈ روم کی جگہ پاک رہتی ہے اور بیت الخلاء کی جگہ ناپاک مگر اس پاک و ناپاک کا تعلق بھی حکماً ہے، اصلاً اور فطرتاً نہیں ہے۔ اصل کے اعتبار سے دونوں جگہ کی مٹی گارا اور اینٹ وغیرہ سب ایک ہی ہیں مگر ایک جگہ آرام کرنے اور سونے کی ہے تو دوسری جگہ گندگی اور غلاظت کی ہے

اس لیے یہ جگہ حکماً ناپاک قرار پائی کیوں کہ یہاں گندگی پائی جاتی ہے۔ اگر یہاں سے گندگی ہٹادی جائے اور اس کو طہارت خانہ کی جگہ بیڈروم بنادیا جائے تو اب یہ بھی حکماً پاک ہوگئی۔ اس کے اندر پہلی جیسی بات نہیں رہی اور وہ قانون اور مسئلہ ہی بدل گیا۔

اسی طرح کمہار پانی پینے کے لیے صُراحی بھی بناتا ہے اور استنجاخانہ کے لیے لوٹا بھی۔ دونوں ایک ہی مٹی سے اور ایک ہی ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں۔ مگر دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ ایک سے میٹھا اور ٹھنڈا پانی پینے کے استعمال میں آتا ہے تو دوسرا نجاست کو دُور کرنے کے استعمال میں آتا ہے۔ اب دونوں کا حکم بدل گیا گوکہ بنانے والا ایک خاصیت بھی ایک ماہیئت بھی ایک آیت بھی ایک کمیّت بھی ایک۔ لیکن کیفیت بدل گئی ہے تو کیا اس کیفیت کے بدل جانے سے لوٹے کو اپنے اس استعمال پر اعتراض کا کوئی حقِ استحقاق بھی ملے گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ اپنے بنانے والے کے اختیار کی بات ہے۔ پھر اس کے استعمال کرنے والے کے بھی اختیار کی بات ہے۔ یہاں اعتراض کا کسی طرح سے بھی کوئی حق لوٹے کو حاصل نہیں ہے۔

ٹھیک اسی طرح سے اونچ نیچ، برتری ابتری نرمی سختی، گرمی سردی، بلندی پستی، اچھی اور بری ہر ایک تضاد کا حال ہے اور کسی کو اس میں مجالِ اعتراض نہیں ہے۔ کیوں کہ ان سب کی تخلیق وایجاد میں خالقِ کائنات کے علم واختیار کی بات ہے۔ وہ جیسا چاہیں اور جب چاہیں عدم سے ہست، نیست ونابود سے وجود وموجود بنادیں اور جیسے جس طرح چاہیں تصرف میں لائیں۔

جس طرح لوٹے کو کمہار پہ اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے اسی طرح سے مکان ومحل کے بیت الخلاء کو بھی بیڈروم اور ہال کی فوقیت پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور کوئی گھٹیا چیز اور کمتر مرتبت والی کو بڑھیا اور برتر چیز کی بڑھوتری پر اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ صاحبِ شئے کی ملکیت اور اختیارِ کل کی بات ہے۔ وہاں بے چُون وچرا، "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" کے مطابق خود کی سُپردگی جس طرح ضروری ہوتی ہے اسی طرح ایک بندے کو اپنے خالق و پروردگار کے ان متضاد ومتحارب اُمور میں دخل دینے یا اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ خالقِ خیر بھی وہی ہیں اور خالقِ شر بھی وہی بفحوائے آیت "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ بندہ مختار بھی ہے یا مجبور؟ اگر مختار ہے تو کتنا؟؟ اور اگر مجبور ہے تو کتنا؟؟ سو اس کے متعلق عرض ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں کسی صاحب نے قضا وقدر پر آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے بڑے عمدہ پیرائے میں اور مختصر الفاظ میں اس کو سمجھادیا اور حقیقت کی تہہ تک پہنچادیا۔ فرمایا کہ کھڑے ہوجاؤ۔ وہ کھڑا ہوگیا

اب حکم دیا کہ ایک پیر اٹھاؤ، اُس نے اٹھا دیا۔ پھر فرمایا کہ دوسرا پیر بھی اٹھاؤ۔ اس نے عرض کی کہ حضور یہ نہیں ہوسکتا۔ فرمایا کہ بس! ایک پیر اٹھانے کا اختیار تو بندہ کو تھا۔ دوسرے پیر کے اٹھانے کا اختیار اب اس کے اندر نہیں رہا کہ بیک وقت دونوں پیر بھی اُٹھ جائیں اور یہ کھڑے کا کھڑا رہے۔ یہ تو ناممکن بات ہوی۔

غرض اس حیثیت سے بندہ بھی مختار رہے مگر پورا نہیں۔ مختارِ کل تو حق سبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے۔ ہاں اس کی عنایت اور نوازش سے اس کے اندر بھی کسی قدر اختیار حاصل ہے۔ ورنہ یہ بات لازم آئے گی کہ بندہ مجبور ہے، مظلوم ہے۔ خوامخواہ سے اس پر ظلم و تشدّد کے پہاڑ ٹوٹے، اس سے کیا گناہ ہوا جس کی پاداش میں اُسے مصیبت جھیلنی پڑی، دوزخ جانا پڑا اور ایک بے گناہ کو موردِ الزام ٹھہرا دیا گیا حالاں کہ ربِّ کائنات کی شانِ غفّاری اور عفو و درگزر منصّۂ شہود پر جلوہ افروز ہے اور ستّر ماں کی محبت رکھنے والے پالن ہار سے ظلم و استبداد کا وہم و گمان بھی بعید از کار اور خلافِ قیاس ہے۔

ان حقائق کے سمجھنے کے لیے سب سے عُمدہ مثال حضرات خضر و موسیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ سے ملتی ہے۔ ایک بے قصور نوجوان کو قتل کر دینا، ایک کشتی کو ڈبو دینا، جب کہ کشتی والوں نے اُن پر احسان کیا تھا اور بغیر اُجرت کے اپنی کشتی میں سوار کروا لیا تھا۔ ایک ایسے مکان کی بوسیدہ دیوار کی مرمت کرنا جنھوں نے ان دونوں حضراتؑ کے ساتھ بڑی سرد مہری سے کام لیا اور رہنے کے لیے (رات گزاری کے لیے) تھوڑی سی جگہ بھی نہ دی اور بڑی بے مُروّتی کے ساتھ پیش آنے کے باوجود انھوں نے ان کی گرتی دیوار کی مرمت کر دی اور اُس کو مضبوط بنا دیا۔

ایک طرف عُلومِ تشریعی کے حامل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں تو دوسری طرف علوم تکوینی کے ماہر حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ پھر ان دونوں نبیوں کی ملاقات و ہمراہی نے بہت سے رازہائے سربستہ کی طرف ہماری آنکھیں کھول دیں اور حقیقت کا علم ہوا ورنہ یہ راز، راز ہی میں رہ جاتا اور ہم حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتے ایک چیز بظاہر کریہہ اور ناپسندیدہ ہوتی ہے۔ مگر باطن میں وہی رحمت بن کر آتی ہے۔ زحمت بن کر نہیں اور ہم اپنی بساط بھر حقیر دانست میں اسے ناحق ظلم پر محمول کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ حالاں کہ اس کے اندر بہتیرے منافع اور اسبابِ راحت مضمر ہوتے ہیں۔ جو درحقیقت پروردگارِ عالم کی طرف سے ہم پر ایک عظیم بھاری احسان ہوتا ہے، جو بعد میں سمجھ میں آتا ہے، شروع میں نہیں۔

پھر یہ عظیم احسان بھی بظاہر ظلم کی شکل میں کبھی نمودار ہوتا ہے اور نظر آتا ہے تو سمجھو کہ یہ ظلم نہیں ہے، بلکہ احسان ہی ہے۔ خود خالقِ کائنات کا ارشاد ہے: "وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ: (اور ہم تو کبھی کسی ادنیٰ بندے پر بھی ظلم نہیں کرتے۔) اور ایک

جگہ ارشاد ہے : وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا: "اور آپ کا رب کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا۔"

اصل میں یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے کہ ہم نے خود کو مجبورِ محض سمجھ لیا ہے۔ حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ انسان مجبور نہیں مختار ہے۔ اور جب اس کے اندر اختیار ثابت ہوگیا تو تکلیفِ شرعی بھی درست ہے۔ سزا و جزا بھی درست ہے اور آخرت بھی درست ہے۔ جنّت و دوزخ بھی درست ہے۔

اور یہ سوچیے کہ جب ہم کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو دل میں اس کی خوشی ہوتی ہے یا نہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ضرور اس سے خوشی ہوتی ہے۔ یہی دلیل ہے اس کی کہ ہم خود کو مختار سمجھتے ہیں۔ اگر مجبورِ محض ہو کر یہ کام کرتے تو خوشی نہ ہوتی اس لیے کہ ہم یہ سمجھتے کہ ہم خود تھوڑا ہی کر رہے ہیں؟ ہم سے مجبوراً کرایا جا رہا ہے لہٰذا ہمیں خوشی منانے کا کیا حق ہے؟

اور جب انسان کوئی بدکاری کرتا ہے یا ظلم و ستم ڈھاتا ہے تو بعد میں اس کو ندامت اور پچھتاوا بھی ہوتا ہے۔ یہ پچھتاوا ہی اصل میں دلیل ہے اس کی کہ خود کو وہ مختار سمجھتا ہے اور اپنے دل کو یہ باور کراتا ہے کہ میں مختار ہوں۔ اسی لیے اس کو افسوس ہو رہی ہے وہ ندامت و شرمندگی سے پانی پانی ہو رہا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں چور سے اگر پولیس یا مجسٹریٹ کہتا کہ کیوں چوری کی؟ تو چور جواب دیتا کہ صاحب! یہ بھی کوئی سوال ہے؟ کیوں اور کدھر سے مجھے کیا سروکار؟ میں تو اینٹ پتھر کی طرح مجبورِ محض ہوں۔ خدا نے مجھ سے کرادی اس لیے کر دیا۔ آپ کون ہوتے مجھ سے مواخذہ کرنے؟ اور آپ کو کیا اختیار ہے خدا کے معاملہ میں دخل اندازی کا؟

انسان اگر واقعتاً سچ مچ مجبورِ محض ہوتا تو ہر صورت میں اپنی مجبوری اور لاچاری کا اظہار کر دیا کرتا کہ میں نے زنا کر لیا تو مجبور تھا، چوری کی تو مجبور تھا قتل کیا تو مجبور تھا۔ نماز پڑھ لی تو مجبور تھا روزہ رکھا تو مجبور تھا۔ پھانسی ڈالی تو مجبور تھا۔ غرض قتل و غارت گری، چوری اور ڈکیتی، ظلم و ستم کا بازار اس مجبوری کے نام پر گرم رہتا اور خوب خون خرابہ ہوتا۔

بہر حال نیکی کر کے دل میں خوشی کا آنا اور بدی کر کے دل میں ندامت و پشیمانی کا آنا دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کا ضمیر آپ کو مجبور کہنے کی بجائے مختار باور کرا رہا ہے کہ آپ کے اندر قوتِ ارادی اور قوتِ اختیاری موجود ہے اور آپ جب مختار ہیں تو پھر آپ سے خطاب بھی صحیح ہوگیا اور عتاب بھی۔ آپ جزا و سزا کے مستحق بھی بن گئے اور مکلّفات شرعیہ کی ذمہ داری بھی۔ پھر تو یہاں ظلم و ستم کہاں رہا؟ یہ تو ایک صریح اور واضح عدل و انصاف ہی ہے۔

حضرت انسان کے اندر یہ ایک ایسا واضح اختیار ہے جسے حیوان بھی سمجھتا ہے۔ سانپ سمجھتا ہے۔ کتا سمجھتا ہے کہ آپ میں اختیار ہے کہ جب آپ کتے کو ڈھیلا پھینک کر مارتے ہیں تو وہ انتقام لینے

کی خاطر ڈھیلے پر نہیں جاتا بلکہ آپ کی طرف آتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ڈھیلا مجبور ہے اور یہ مختار ہے۔

تو تعجب ہے کہ آپ کے اختیار کو تو کتا بھی سمجھتا ہے اور آپ کی طرف لپکتا ہے۔ لیکن آپ نہیں سمجھتے بلکہ کہہ رہے ہیں کہ بھئی میں مجبور محض ہوں۔ جب کہ آپ کا دل آپ کو مختار باور کرا رہا ہے۔ پھر بھی آپ حیلہ حوالہ کرنے پر آمادہ ہیں اور حیلہ سازی کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں

غرض انسان میں عقلاً اور وجداناً اختیار بھی ہے، جبر بھی ہے، نہ وہ مجبور محض ہے اور نہ مختارِ مطلق، تو اس اعتبار سے انسان مجبور بھی ہے، مختار بھی ہے، عالم بھی ہے جاہل بھی ہے۔ قادر بھی ہے، عاجز بھی ہے۔ اس لیے کہ انسان وجود اور عدم دونوں کا جامع مجموعہ ہے۔ اگر وجود محض ہوتا تو علم محض ہوتا جہل کا نشان نہ ہوتا اور اگر وجود محض ہوتا تو عدم کا نشان نہ ہوتا اور اگر عدم محض ہوتا تو جہل محض ہوتا۔ جہالت ہی جہالت ہوتی، عجز ہی عجز ہوتی۔ لیکن دونوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے اس کی دلیل ہے کہ انسان کے اندر کچھ وجود ہے، کچھ عدم ہے، کچھ علم ہے، کچھ جہل ہے، کچھ اختیار ہے اور کچھ جبر ہے۔ یعنے مجبوری بھی ہے۔

پھر کوشش اور تدبیر کے بغیر یہ کہنا کہ تقدیر میں تھا اس لیے ہوگیا سراسر غلط ہے اور لاعلمی کا نتیجہ ہے اور خدائے رحمٰن و رحیم کی ذات پر الزام تراشی اور بہتان خراشی ہے : اَللّٰھُمَّ احفظنا منه۔

غرض کوشش و تدبیر کرنا ہمارا کام پھر اس کی تکمیل و اتمام یہ منجانب اللہ ہے اور اسی معنی ہیں اَلسَّعْیُ مِنَّا وَ الاِتمامُ مِنَ اللہ بھی ہے۔ ●● جاری

نعت شریف

ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی
شفا ڈسپنسری۔ گڑیاتم

مدینے کا ہم کو نظارہ ملا ہے
کرم سے یہ اُن کے دوبارہ ملا ہے

محمدؐ سے ہم کو اجالا ملا ہے
کہ انسانیت کو سہارہ ملا ہے

وفورِ تجلّی کا پُر کیف منظر
یہ ہر وقت ہم کو نظارہ ملا ہے

ازل سے ابد تک جہاں تک نظر کی
دو عالم میں روشن ستارہ ملا ہے

تلاطم میں کشتی چلی جا رہی تھی!
مگر اُن کے صدقے کنارہ ملا ہے

رہ و رسم منزل الگ ہی الگ ہے
یہاں قول ہر ایک نرالا ملا ہے

بھٹکتی پھری ہے ازل سے یقیناً
تلاطم میں کشتی کو دھارا ملا ہے

بہت دور رہ کر بھی ہم کھا نہ لیتے
بفضلِ خدا اب اشارہ ملا ہے

تصدّق خدا پر میں جاؤں گا افسر
یہ رتبہ دوبارہ خدارا ملا ہے

پیشکش :
سید خلیل احمد قادری متعلم دارالعلوم لطیفیہ

یہی وہ علماء ہیں جنھیں حیاتِ دوام حاصل ہے

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کا یہ مضمون سالنامہ اللطیف 1974ء میں شائع ہوا تھا۔ جس میں مضمون نگار نے اہلِ دِل علماء کے علمی کارنامے اور اُن کے مقام و مرتبہ اور اُن کے فیضان کا ذکر کیا ہے۔ ناظرینِ اللطیف کی خدمت میں پیش ہے

ادارہ :

اسلامی علوم و فنون سے بہرور ہونا ایک بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ یہی وہ علوم و فنون ہیں جو صرف خوش نصیبوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالےٰ کی خاص عنایتیں اور رحمتیں ان پر ہوتی ہیں اور وہ زندہ جاوید بن جاتے ہیں۔

مولانا برہان الدین مرغینانی ایک زبردست عالم و باکمال مصنف تھے ان کی جلالتِ علمی کا اندازہ اُن کی زندہ جاوید تصنیف "ھدایہ" سے لگایا جاسکتا ہے کہ حنفی فقہ میں آج تک اس کے مقابل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ دُنیا کے ہر مدرسہ میں جہاں اسلامی علوم و فنون کا درس دیا جاتا ہے وہاں ھدایہ بھی شاملِ درس ہے۔ آپ ایک عالمِ باکمال و فاضلِ بے بدل ہونے کے ساتھ صاحبِ مقامات اور جاہ و جلال والے بزرگ تھے۔

ایک روز آپ کی سواری کسی چوراہے پر سے چلی جارہی تھی تو لوگوں نے دیکھا اور ایک شور و غل ہونے لگا کہ 'صاحبِ ہدایہ' کی سواری آرہی ہے کثرت سے لوگ سڑک کے دونوں طرف آپ کے استقبال کے لیے جمع ہونے لگے ان میں ایک کمسن سات سالہ بچّہ بھی تھا جب آپ کی سواری پہنچی تو وہ آگے بڑھ کر مؤدبانہ سلام بجالایا۔ آپ نے سواری روک کر کہا: 'میں اللہ کی طرف سے کہتا ہوں کہ یہ بچّہ بڑا ہوکر اپنے وقت کا علاّمہ ہوگا'۔ جب سواری چلنے لگی تو یہ بچّہ بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ پھر آپ سواری روک کر کہنے لگے: 'میں منجانب اللہ کہتا ہوں کہ یہ بچّہ اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے ہوگا اور بادشاہ اس کے در پہ حاضری دے گا'۔

کشف کے زور سے آپ نے جو پیشین گوئی کی تھی کہ یہ نونہال جس کا نام شیخ برہان الدّین محمود تھا۔ بڑے ہوکر اپنے وقت کے اکابر علماء میں سے ہوے اور بہت سی کرامتیں آپ سے صادر ہونے لگیں اور بادشاہِ وقت سلطان غیاث الدین بلبن آپ کا معتقد اور آپ کی مجلس کا حاضر باش ہوا۔

مولانا نصیرالدین چراغ دہلوی بھی اپنے وقت کے جیّد عالم اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے آپ کو ادارت حاصل تھی۔ بیعت اور خلافت سے مشرف تھے۔ آپ کے رشد و ہدایت

سے خائف ہو کر بادشاہِ دہلی محمد تغلق نے آپ کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا۔ اور طرح طرح کی ایذائیں دینے لگا۔

ایک مرتبہ محمد تغلق نے آپ کے یہاں چاندی ، سونے کے برتنوں میں اس نیت سے کھانا بھیجا کہ اگر آپ اس سلطانی دعوت کھانے سے انکار کریں گے تو آپ کو سزا دینے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔ اگر آپ نے ان چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانا کھالیا تو وہ ایک فعلِ حرام کے مرتکب ہو جائیں گے پھر دوسروں کو حرام کاموں سے روکنے اور منع کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ حضرت والا نے دسترخوان سے ایک پیالہ اٹھایا اور اس سے یخنی نکال کر اپنے ہاتھ پہ رکھ کر کھایا۔ لہذا بادشاہ اپنے عزم فرسودہ میں ناکام و مایوس رہا۔ بالآخر اس نے آپ کو شہر بدر ہونے کا حکم دیا اور مقام ٹھیٹھ روانہ ہونے کے لیے حکم دیا۔ آپ مع سواروں کے ساتھ نارنول کے راستہ سے ٹھیٹھ روانہ ہوئے۔ جب نارنول پہنچے تو مولانا محمد ترک علیہ الرحمہ کے روضہ کے قریب سواری سے اترے اور روضہ پہ حاضری دیتے ہوئے مراقبہ میں چلے گئے۔ مولانا محمد ترک علیہ الرحمہ ترکستان کے رہنے والے تھے اور ہندوستان آئے اور بمقام نارنول مقیم ہو گئے تھے۔ آپ ایک صاحبِ تقویٰ، پرہیزگار، ایک جیّد عالم اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ آپ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر و کامل تھے۔ آپ سے برکات وفیوضات کا سلسلہ جاری ہوا۔ رشد وہدایت کے ساتھ آپ مسندِ درس و تدریس پر بھی فائز رہے سینکڑوں طالبانِ علم آپ سے فیض یاب ہوئے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو وہیں آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت مولانا نصیر الدین چراغ دہلوی نے مراقبہ سے فارغ ہو کر سر اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کو کوئی مشکل درپیش ہو تو وہ اس روضہ کی طرف متوجہ ہو۔ امید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی۔ یہ سن کر ایک بے باک نے کہا: حضرت آپ تو خود اس وقت ایک بڑی مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں! اسی لیے تو کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس مزار کی برکت سے میری مشکل آسان فرمادے گا چناں چہ آپ نارنول سے دو تین منزل آگے نہ گئے ہوں گے کہ بادشاہ کی موت کی اطلاع ملی اور فوراً ہی آپ دہلی واپس آگئے۔ سفر اور شہر بدر کی مصیبتوں سے جلد ہی نجات حاصل کر لیے۔

تاریخ اسلام سے جو واقف ہیں وہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے علم وفضل اور عمل سے بھی واقف ہوں گے۔ ایک روز شہنشاہ کی سواری بیجاپور میں ایک مقام سے گزر رہی تھی تو کسی نے کہا کہ حضور! یہ حضرت مخدوم گنج العلم کا روضہ ہے شہنشاہ نے کہا کہ ایسے تو کئی ہوتے ہیں۔ کوئی ہوں گے۔ یہ کہنا ہی تھا کہ ان کی روشن ضمیری ضبط کر لی گئی۔ شہنشاہ سمجھ دار تھا فوراً گھوڑے سے اترا اور روضہ پہ حاضری دیتے ہوئے، معذرت کرنے اور معافی چاہنے لگا تو تب کہیں روشن ضمیری

لوٹائی گئی اور وہ وہاں سے بہت ہی ادب و احترام سے روانہ ہوا۔

اس موقعہ پر ایک اور واقعہ کا ذکر ناظرین اللطیف کے لیے باعث معلومات ہوگا۔

مدینہ منوّرہ کا گورنر مروان بن حکم ایک روز مدینہ منورہ کے پاس حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ ایک شخص مزار انور سے چمٹا ہوا ہے۔ مروان نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور کہا: اے شخص تجھے کچھ خبر ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ تو اس شخص نے سر اٹھا کر جواب دیا: کہ ہاں! میں خوب جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اے مروان میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا، بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اے مروان! جب دین دار لوگ حاکم بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب نااہل لوگ دین کے والی بنیں تو رونا چاہیئے۔ مروان یہ گرم جملے سن کر خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ گورنر مروان کو جھنجھوڑ کر ڈانٹ دینے والی کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی بلکہ ایک جلیل القدر صحابی رسول حضرت ابو ایوب انصاری تھے۔ (رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

حضرت حمید الدین ناگوری المشہور بہ حضرت قادر ولی یا شاہ رحمۃ اللہ علیہ خاصانِ خدا میں سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اپنے قرب خاص کی عزّت و عظمت کا تاج دار بنایا تھا۔ اور آپ کے سینے کو نور باطن کا سفینہ بنا کر ایسا مخزنِ انوار بنایا کہ آپ کی ایک نگاہ سے ذرّے رشکِ آفتاب و غیرتِ ماہتاب بن جاتے۔ ؎

تمنّا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں سے

مولانا شاکر ناکٹی اپنے ایک شاہ کار قصیدہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ؎

ایک خوش بخت سے روایت ہے
کیا ہی اللہ کی عنایت ہے
تھی تلاش ان کو شیخ کامل کی
مردِ عارف کی حق سے واصل کی
شوق تھا رات دن توسل کا
شیوہ تھا خلق سے تبتّل کا
شاہ گنج سوائی تک پہنچے!
اور رہے بارگہ میں جا کے کھڑے
عرض و معروض میں زبان کھلی
اور بڑی عاجزی سے عرض یہ کی
کہ شیخ کامل مجھے دکھا دیجے
پردہ آنکھوں سے اب اٹھا دیجے
طالبِ حق کی آرزو پا کر
اور خود اپنے ساتھ لے جا کر
حلیۂ شیخ اُسے دکھا بھی دیا
اور حضرت مکاں بتا بھی دیا

اس بشارت کے بعد جناب غلام محی الدین خان صاحب متھیداد دھرم پوری سیدھے ویلوردار السرور آئے اور حضرت مکان کا بھرپور نظّارہ جو خواب

بتایا گیا تھا۔ کہ مرشدِ کامل کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ملاقات واجازت کے بعد فوراً دھرم پوری واپس گئے اور مع اہل و عیال حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری سجادہ نشین مکانِ حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہٗ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی۔

مولانا محمد طبیب الدین اشرفی مونگیریؒ "انوارِ اقطابِ ویلور" میں تحریر فرماتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

"بڑی خصوصیت اس خاندان کی یہ رہی ہے کہ اس خاندان میں مسندِ سجادگی پر فائز ہونے والوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیشہ قطبیت عطا فرمایا ہے۔"

زبدۃ العارفین اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ویلوری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز اپنے وقت کے زبردست عالم وفاضل، صاحبِ ولایت وکرامت اور ایک زبردست وباکمال مصنف واقع ہوئے ہیں۔ کئی ایک معرکۃ الآراء تصانیف آپ کے نوکِ قلم سے منصۂ شہود پر آگئی ہیں۔ جن سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔

ایک وقت آپ حضرت قادر ولی پاشاہؒ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے ناگور شریف تشریف لے گئے۔ جب آپ روضہ پر پہنچے تو کہا جاتا ہے کہ درگاہ شریف کے دروازے کھل گئے اور اندر داخل ہوتے ہی تمام دروازے بند ہو گئے۔ کامل ایک گھنٹہ آپ اندر رہے معلوم نہیں کیا کچھ گفتگو ہوئی۔ جب پھر آپ باہر آئے تو دروازے کھلے اور بند ہو گئے۔ لوگوں کے دریافت کرنے پر صرف اتنا کہا کہ اولادِ صالح کی بشارت دی گئی ہے۔

حج بیت اللہ اور زیارت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی غرض سے آپ مکہ مکرمہ گئے اور حج کے مراسم سے فارغ ہو کر مدینۂ منوّرہ پہنچے۔ روضۂ اطہر پر حاضری دیتے ہوے دربارِ رسالت میں سلام پیش کیا۔ روضۂ اطہر سے آپ کو وَعَلَیْکُمُ السَّلَام جواب ملا۔ مدینۂ منوّرہ ہی میں آپ کا وصال ہوا۔ وہیں تدفین ہوئی۔ وصال کے وقت آپ کے صاحب زادے حضرت رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ العزیز اور دیگر عزیز واقارب مدینۂ منوّرہ ہی میں تھے۔

حضرت قطبؒ ویلور کے تصرفات ملاحظہ فرمائیں کہ ایک شب میں آپ اپنی خادمہ کے خواب میں آکر کہنے لگے کہ مسجدِ مکان میں فلاں قندھاری صاحب تین دن سے مقیم ہیں کسی نے بھی اُن کی طرف توجّہ نہیں کی۔ جو بھی حاضر ہے پیش کریں۔ خادمہ خواب سے بیدار ہو کر کھانا وسالن تیار کر کے صبح اذان کے بعد اس قندھاری مولوی صاحب کے سامنے پیش کیا۔ وہ متحیّر ہوئے کہ تین دن سے کسی نے بھی توجّہ نہیں کی اور صبح سویرے یہ خاصہ پیش ہونا کیا معنی ہے؟

کہنے لگے، جب تک اس کا راز معلوم نہ ہو وہ نہیں کھائیں گے۔ مجبوراً خادمہ کو کہنا پڑا کہ خواب میں حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کہہ رہے تھے کہ فلاں قندھاری صاحب مسجد، مکان میں مقیم ہیں کسی نے بھی اُن کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ جو کچھ بھی حاضر ہے پیش کریں۔ لہٰذا یہ تورہ حاضر ہے۔ آپ نے کہا کہ تم اپنے خواب کی تصدیق تو کر لیتیں، آیا کوئی مسافر موجود ہے یا نہیں؟ خادمہ نے جواب دیا: اس کی ضرورت نہیں۔ ہمیں یقینِ کامل ہے کہ آپ موجود ہیں کہ نہیں وہ صاحب بہت حیران ہوئے اور طعام احضر سے فارغ ہوئے۔ کہاں مدینہ منورہ! اور کہاں ویلور دار السرور! آپ تمام حالات کو دیکھتے ہیں اور ہدایت فرماتے ہیں۔ خاصانِ خدا، وقت اور فاصلہ کی قید و بند سے آزاد ہیں۔ در و دیوار اُن کی نگاہوں کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے۔

ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کے لیے ایک حیات ہوتی ہے تو ان علماء کی تین حیاتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب ایک عالم باعمل کی حیثیت سے پہلی بار منظرِ عام پر آتے ہیں۔ تو مرشد و ہدایت کے ساتھ درس و تدریس پر فائز ہوتے ہیں اور ان سے سینکڑوں طالبانِ علوم فیض یاب ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے۔

دوسری حیات وہ ہے کہ جب اللہ کے فضل و کرم سے کوئی ایک اچھی تصنیف اُن کی نوکِ قلم سے وجود میں آجائے تو یہ خود بھی ایک زندۂ جاوید کارنامہ ہوتا ہے اور رہتی دُنیا تک لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

تیسری حیات بعد الممات ہے۔ مرنے کے بعد بھی اُن کے تصرفات جاری و ساری رہتے ہیں یہی وہ علماء ہیں جنھیں حیاتِ دوام حاصل ہے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(بقیہ مضمون "نورِ محمدی کے تین لباس" صفحہ 13 کا)

بنے۔ حضرت عمر "فاروق" بنے، حضرت عثمان رضی "ذوالنورین" بنے، حضرت علی "حیدرِ کرار" بنے۔ حضرت عائشہ "صدیقہ" بنیں اور بلال حبشی "مؤذنِ مصطفےٰ" بنے اور ساری امتِ مسلمہ کو ایک نمونۂ زندگی ملی۔

دیکھ کر آپ کے اخلاق کو و اوصاف کو
غیر بھی کہتے ہیں تم ہو رحمۃ للعالمین
بجز حبِّ محمدؐ کامل ایمان ہو نہیں سکتا
خدا کو ماننے والا مسلماں ہو نہیں سکتا

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں نیک توفیق عطا فرمائے، منکرین کو عقل سلیم عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

ایک نادر و نایاب طریقۂ تربیت

★ ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری ایم۔اے، پی۔ایچ ڈی، ناظم دار العلوم لطیفیہ ویلور

اس دُنیا میں بہت سے ایسے افراد پیدا ہوئے ہیں، جو اپنے دَور کے مصلح مانے گئے ہیں اور انہوں نے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ تا قیام قیامت قائم رہیں گے اور لوگ ان کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ ایسی ہی برگزیدہ شخصیتوں میں سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور ہیں۔

آپ کا اسم گرامی اور دیگر ضروری تفصیلات

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری عرف حضرت پیر صاحب۔ خانوادۂ اقطاب کی آٹھویں پشت میں ہیں۔ آپ کی ولادت بروز چہار شنبہ، ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ کو مکانِ حضرت قطب۔ ویلور میں ہوی۔ آپ کے والد کے نام شمس العلماء حضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ حضرت مکی ہے۔ آپ نے مسلم ہائی اسکول ویلور اور محامڈن کالج مدراس میں تعلیم حاصل کی اور ایل۔ایل۔بی کیا۔ آپ کا قد متوسط، رنگ گندمی مائل۔ جسم قوی، پیشانی عریض، سینہ چوڑا، چہرہ وجیہہ اور ہنس مکھ تھا۔

آپ کا وصال ۱۴ر ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق ۷ر ڈسمبر 1986ء کو ہوا اور آپ کو حضرت مکان کے احاطہ میں واقع قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آج بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

جس وقت حضرت کا وصال ہوا سب کی زبان پر یہی کلمات تھے۔ ”حضرت ناظم صاحب قبلہ کو میرے سے خاص الفت و محبت تھی۔“ اس مختصر مضمون میں حضرت پیر قادریؒ کی تربیت کی چند جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں۔ جن سے ان کی انوکھی تربیت اور شفقت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز ہر ادارہ کے ناظم اور سرپرست کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہے۔

مدرسہ کے طلباء کو اپنی اولاد سمجھنا

ناظم دارالعلوم اپنے مدرسہ کے ہر طالب علم کو اپنی اولاد سمجھتے تھے۔ آپ

کو مدرسہ کے ہر طالب العلم کا نام اور اس کی وطنیت یاد رہتی تھی۔ اور وہ دن رات میں ایک مرتبہ آفس میں یا مطبخ میں یا پھر کھیل کے میدان میں اُسے دیکھنا پسند کرتے تھے اور وہ اگر نظر نہ آتا تو رات کے وقت شبینہ ہال میں اُسے دریافت فرماتے۔ اس طرح ہر طالب علم کے احوال و کوائف سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔

ون، ٹو، تھری

جب نئے طلبا داخلہ لیتے ہیں تو اُن کو چند دن گزرنے نہ پاتے گھر جانے کی خواہش ہوتی ہے۔ ناظم صاحب کے سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانتے تو ناظم صاحب فرماتے ہیں کہ (تھری (۳) کہنے سے پہلے آفس سے ہال کو چلے جانا۔ لیکن ون۔ ٹو۔ تھری کہنے کے باوجود طالب علم وہیں رہتا ہے تو ناظم صاحب مسکراتے ہیں اور چند دن کی چھٹیاں مل جاتی ہیں۔

خطا کار کون ؟

مدرسہ میں یہ اکثر ہوتا ہے کہ بڑے طلباء، چھوٹے طلبا پر کچھ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے طلباء اپنے بڑے طلبا کی بے عزتی کرتے ہیں تو یہ معاملہ ناظم صاحب کی عدالت (آفس) میں پہنچ جاتا ہے۔ ناظم صاحب مجرم کو بلاتے اور فرماتے میرے پاس "مؤکل" ہیں جو مجھے اطلاع دیتے ہیں کہ مجرم کون ہیں؟ اس موقعہ پہ طالب علم حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ ناظم صاحب کو کیسے پتہ چلا۔ پھر اس طالب علم کو ناظم صاحب ڈراتے اور سمجھاتے۔ سمجھانے کا ایسا عجیب و غریب انداز ہوتا کہ دوبارہ وہ طالب علم اس غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا۔

سزا دینے کا عجیب انداز

ناظم دارالعلوم کے سزا دینے کا بھی عجیب و غریب انداز تھا۔ طالب علم کو سزا دینے کے لیے پیش کیا جاتا تو پہلے ناظم صاحب دریافت فرمانے کہ سزا "انوار" کے ہاتھوں سے لوگے یا "صبغۃ اللہ صاحب" کے ہاتھوں سے لوگے۔ کیوں کہ انوار اللہ صاحب "بائیں" ہاتھ سے سزا دیتے جو بہت زور دار ہوتی اس لیے طالب علم صبغۃ اللہ صاحب کے ہاتھ سے سزا کے طلب گار ہوتے۔ اگر ان باتوں کے دوران کوئی شخص آفس پہنچ جاتا تو سزا معاف ہوجاتی تھی کیوں کہ آپ لوگوں کے سامنے طلبا کو سزا دینا پسند نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ طالب علم کی عزتِ نفس کا لحاظ رکھتے تھے۔ اس لیے ہر طالب علم کی یہ دُعا رہتی کہ سزا کے وقت کوئی آدمی آجائے اور سزا سے بچ جائے۔

علیل طلبا کی خاص نگرانی

ناظم صاحب کو طلبا سے حد درجہ محبت تھی۔ یہ محبت اس وقت اور زیادہ ہوجاتی تھی جب طلبا علیل ہوجاتے۔ سرکاری و غیر سرکاری ڈاکٹروں کا علاج کرواتے اور حکیم کو بھی دکھلاتے اور کوشش یہ رہتی کہ جلد سے جلد صحت یاب ہوجائے اور درس میں شامل ہوجائے کچھ طلبا گھر جانے کے ارادے سے بیمار ہونے تو اُن

کو سمجھاتے کہ جلد ہی رمضانِ شریف کی تعطیل ہوگی چلے جانا ورنہ تمہارے اسباق ضائع ہو جائیں گے اور فرماتے کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل درکار ہے۔ وقت سے فائدہ حاصل کرو۔

رزق حلال کی اہمیت

طلبا کو ہمیشہ اس بات کی تاکید فرماتے کہ رزقِ حلال کا خیال رکھیں۔ رزقِ حلال کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے کہ تم کو جو رزق دیا جارہا ہے وہ رزقِ حلال ہے۔ بزرگانِ دین اقطاب و اولیاء محنت و مشقت فرماکر جو بھی حاصل کرتے ہیں وہ رزق تم کو دیا جارہا ہے۔ آئندہ بھی تم اس کا خیال رکھنا اگر غلط قسم کا رزق تمہارے پیٹ میں جائے گا تو اس کے خراب اثرات ہوں گے اور اس کی وجہ سے تمہارے اعمال فاسد ہو جائیں گے۔

طلباء کو عوام الناس کے روبرو پیش کرنے کی کوشش

طلبا کو عوام الناس کے روبرو پیش کرنے کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لیے ناظم صاحب ہر ممکن کوشش فرماتے تھے۔ طلبا کے تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے خیال سے آپ نے ایک انجمن بنائی اور ہر طالبعلم کو ہفتہ وار اجلاس میں تقریر کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو میں چھ چھ صفحات ہفتہ وار لکھنے کو لازمی قرار دیا۔ تاکہ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی مہارت حاصل ہو سکے۔ جس سے فائدہ یہ ہوا کہ آپ کے دورِ نظامت میں ایسے بہت سے طلبا فارغ ہوئے جن کے اندر تقریر و تحریر کی اچھی خاصی قابلیت پیدا ہوگئی جو موجودہ دور کے علماء کیلیے نہایت ضروری ہے۔

آپ نے اپنے دور میں ایک نئی چیز گیمس اور اسپورٹس کا آغاز کیا تاکہ طلبا کی جسمانی صحت اور دماغی تازگی باقی رہے۔

طلبا کے اندر معلومات میں اضافہ کے لیے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو دعوت دے کر سالانہ جلسہ میں طلبا کے سامنے تقریریں کرواتے۔ "انجمن دائرۃ المعارف" کے افتتاحی افتتاحی جلسہ میں کسی عربی اردو یا فارسی کے اسکالر کو دعوت دیتے کہ طلبا کو یہ معلوم ہو کہ تم بھی ان کی طرح ریسرچ اسکالر پروفیسر یا ریڈر بن سکتے ہو۔

اخلاق کا درس دینا

ناظم دار العلوم کسی بھی طالب علم کے حق میں بُرے، گندے اور توہین آمیز الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ اساتذہ اور طلبا کے کے ساتھ اخلاق سے بات چیت کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ناظم صاحب کے اخلاق کا طلبا پر بہت اثر ہوتا تھا اور وہ ان کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔ دست بوسی و قدمبوسی اور دیگر آداب کی تعلیم دیتے تھے۔ سال گزرنے کے بعد طلبا اپنے گھر لا

کو جاتے تو والدین یہ تبدیلی دیکھتے تو ان کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ بعض وقت تو وہ انگشت بدندان رہتے کہ کیا یہ وہی بچّہ ہے جسے ہم لطیفیہ میں چھوڑ گئے تھے۔

ایک اہم نکتہ

ناظم صاحب کبھی کبھی طالب علم کو ڈرانا اور تنبیہہ کرنا ہوتو اُسے اکیلے میں ڈراتے اور اس کے جرم کے مطابق سزا دیتے اور پھر دیر تک سمجھاتے تھے۔

غریب طلباء کی امداد

جو طلبا قابل اور ہوشیار مگر غریب ہوتے تو ناظم صاحب ان کی دامے درمے مدد فرماتے۔ ادیبِ فاضل کے امتحان کی فیس وغیرہ دیتے تھے۔

انعام واکرام سے نوازنا

دار العلوم کے تمام کاموں کا انتظام طلبا و اساتذہ خود کرتے۔ مطبخ، مسجد، مدرسہ، باغ بانی، اجلاس، تیمارداری وغیرہ ان خدمات کے صلہ میں ناظم صاحب طلبا و اساتذہ کے لیے خود مدراس جاکر تحفہ وغیرہ اپنے ہاتھوں سے خریدتے اور سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اعلیٰ حضرت قبلہ کے ہاتھ سے دلواتے۔ اساتذہ کے ذمہ بھی بچوں کی نگرانی مطبخ کی نگرانی، بیمار طلبا کی نگرانی اور دیگر امور ہوتے ان کی ان خدمات کے لیے بھی بیش قیمت تحفے ملتے تھے۔

سالانہ جلسہ کے قریب گیمس اور اسپورٹس کے مقابلے ہوتے، جس کی نگرانی خود ناظم صاحب فرماتے اور کسی وقت کوئی مسئلہ کھڑا ہو تو فیصلہ بھی خود ہی فرماتے۔

سالانہ امتحان میں بیرونی علما کی خدمات حاصل کرنا

طلبا میں درس سے لگاؤ اور امتحان کا صحیح خوف پیدا کرنے کے لیے ناظم صاحب بیرونی علماء کی خدمات لیتے۔ طلبا کے امتحان کے پرچے بیرونی علماء تیار کرتے اور پھر وہی علماء جانچ کر مدرسہ روانہ کرتے تھے۔

ناظم دار العلوم کی دُعا

ذکر واذکار کے بعد ناظم صاحب طلبا و اساتذہ کے لیے دعا فرماتے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دار العلوم کے تمام فارغ آج کامیاب و کامران ہیں۔ آپ کا ایک عظیم کارنامہ "اللطیف" کا اجراء ہے جس میں اساتذہ و طلبا کے مضامین کے علاوہ دیگر علماء و فضلا اور ادباء و شعراء کی تخلیقات بھی شائع ہوتی ہیں۔ آپ کے اندر آباء و اجداد کی تصانیف کی حفاظت اور ان کی اشاعت کا ذوق بدرجۂ اتم موجود تھا۔ بزرگانِ حضرت مکان کے اکثر و بیشتر قلمی نسخے و مخطوطات آپ کے پاس صحیح و سالم محفوظ تھے۔ آپ نے ان کی اشاعت کے لیے "دار التصنیف والاشاعت" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ چناں چہ اس ادارے کی جانب سے اب تک کئی ایک علمی و مذہبی کتابیں اور [بقیہ ص 123 پر ملاحظہ ہو]

اردو زبان میں نعت گوئی کا فن

★ سید وحید اشرف۔ سابق پروفیسر و صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو۔ مدراس یونیورسٹی۔ مدراس

رحمۃ للعلمین، خاتم النبیین، سرور کائنات خلاصۂ موجودات، سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مدح و ستائش کا نام نعت ہے۔ نعت نثر میں بھی ہو سکتی ہے اور نظم میں بھی۔ لیکن نعت بطورِ اصطلاح شعر ہی کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اور ایسی شاعری کو جس میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کی گئی ہو نعتیہ شاعری کہتے ہیں۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اشعار اور نعتیہ اشعار کو پسند فرمایا ہے کیوں کہ مصنوع کی تعریف اصل میں صانع کی تعریف ہے اور اس لحاظ سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔

خود خالقِ کائنات کو حضور صلے اللہ وآلہ وسلّم کی تعریف پسند ہے اس لیے خود اللہ تعالےٰ نے حضور صلے اللہ وآلہ وسلّم کی تعریف قرآن میں کی ہے۔ کہیں براہ راست اور اکثر آیات سے آپ کی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن آیات سے مفہوم کا استنباط کرنا علمائے دین کا کام ہے اور وہ تعریفیں جو براہ راست کی گئی ہیں وہ واضح ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا بیان کرنا باعث رحمت ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "اخبار الاخیار" کے آخر میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیّت موجود رہتی ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شان دار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی و انکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود و سلام بھیجتا رہتا ہوں۔"

اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ

مبارک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے۔؟
اس لیے اے ارحم الراحمین مجھے پکّا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام اور اس کے ذریعہ دعا کرے گا وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔"

(زناتیر: ادبی دنیا مٹیا محل دہلی)

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم کی نعت بیان کر کے نعت کا انداز بتا دیا۔ ہر نعت گو ان اوصاف کا اعادہ کرتا ہے اور کرنا چاہیے۔ جن کا ذکر خود خدا نے قرآن میں کر دیا ہے یا جو رسول اکرم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے متعلق فرمایا جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ کیوں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا فرمانا اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ آپ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وہی کہتے تھے جو اللہ تعالےٰ وحی کرتا تھا یا آپ (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے قلب پر الہام کرتا تھا۔ کیوں کہ قرآن مجید میں آپ (صلے اللہ علیہ وسلّم) پہ متعلق ارشاد ہے کہ وَمَا ینطق عن الھویٰ۔

وہ نعتیہ شاعری جو قرآنی اوصاف پہ مبنی ہے اس کا تعلق بالعموم بیانیہ شاعری سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کوئی بھی نعت گو ان سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا اور نہ کرنا چاہیے۔

نعتیہ شاعری کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق شاعر کے اپنے جذبات سے ہے۔ یہی مشکل مرحلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر قدم پر ادب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بارگاہِ نبوّت میں ذرا بھی بے ادبی آدمی کے سارے اعمال کو بے کار کر سکتی ہے

نفس گم گشتہ می آید جنید و بایزید ایں جا۔

اس لیے ہم یہ تصوّر نہیں کر سکتے کہ کوئی مسلمان دانستہ بارگاہِ نبوّت میں کسی بھی بے ادبی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر سہواً اس سے ایسی لغزش ہو جائے تو اس کو فوراً اپنے قول و عمل سے رجوع کر لینا چاہیے اور تائب ہو جانا چاہیے کہ اس رجوع اور توبہ میں اس کی عزت افزائی اور سلامتی ہے۔

نثر میں ایسی لغزش کم از کم میرے لیے ناقابلِ تصوّر ہے۔ لیکن شعر میں لغزش کا امکان رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نثر میں آدمی کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کا موقع ہوتا ہے اور کوئی مسلمان ہرگز کوئی بات ایسی کہنا گوارا نہیں کرے گا۔ جس سے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی ہو۔ لیکن شعر میں گوناگوں اسباب کی وجہ سے ایسی لغزشیں دیکھنے میں آتی ہیں کم علم لوگوں کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے کوئی بھی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بہت کم علم ہے اور نعتیں لکھتا ہے اور ان میں غلطیاں نہیں کرتا۔ حالاں کہ اس کا مقصد ہرگز بے ادبی کرنا نہیں ہوتا لیکن زبان و بیان اور نعت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں وہ ایسا کر گزرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ کسی بہت اچھے استاد سے جو نعت گوئی کے لوازمات سے آشنا ہو اور اردو

زبان کی نزاکتوں سے واقف ہو اصلاح لے لیا کریں لیکن ایسے اسناد بھی مشکل سے ملتے ہیں۔

کم علموں سے لغزشوں کی مثالیں پیش کرنا بے سود ہے۔ کیوں کہ ان سے لغزشیں ہونا یقینی ہی ہے۔ میں دو مثالیں صرف ان لوگوں سے پیش کرتا ہوں جن کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے۔ ایک صاحب نعت میں لکھتے ہیں: ع

عروجِ حسن عطا ہے تمہاری شاہانہ

یہاں سیّد عالم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عطا کو دنیوی بادشاہ کی عطا کے مثل بتایا ہے مسلمان کا عقیدہ ہے کہ سیّد عالم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جو عطا کر سکتے ہیں وہ دُنیا کے بادشاہوں سے ممکن نہیں ہے اور جو دُنیا کے بادشاہ عطا کر سکتے ہیں، اس کو سیّدِ عالم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عطا کی مثل بتانا جہل کے مترادف ہے۔ مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل قرار دینے میں مشبّہ بہ کا رُتبہ مشبّہ سے افضل ہوگا۔ یہاں دُنیاوی بادشاہ کی عطا نعوذ باللہ زیادہ افضل قرار پائے گی یہ بیان علم معانی و بیان سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس بیان میں مثل غلط تو ہے ہی، مثال بھی درست نہیں ہے۔

ایک صاحب کا شعر یہ ہے: ؎

عمر بھر ہم پھرے کو بکو

تجھ سا پایا نہیں خوبرو

اردو میں یہ شعر امیر خسرو کے اس فارسی شعر کی بازگشت ہے، جو انھوں نے اپنے مُرشد کے متعلق کہا ہے: ؎

آفاقہا گردیدہ ام عشقِ بتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

امیر خسرو علیہ الرحمہ اپنے مُرشد حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں، کہ میں نے ساری دُنیا میں کوچہ نوردی کی، بہت سے پیر و مرشد دیکھے اور اُن کی صحبت اختیار کی، لیکن آپ کا رُتبہ سب سے بلند ہے۔ آپ کے مثل کسی کو نہیں پایا۔

دراصل امیر خسرو علیہ الرحمہ کی یہ شاعری ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نثر میں بیان نہیں کی جا سکتیں، لیکن شاعری میں جائز ہیں۔ حضرت امیر خسرو تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا مُرشد اپنے وقت کا سب سے بڑا مُرشد ہے۔ لیکن اس کے لیے یہ کہنا کہ میں ساری دُنیا میں پھرا ہوں اور بہت زیادہ مُرشدین کی صحبت میں رہا ہوں، ایک خلافِ واقعہ بیان ہے۔ لیکن "تو چیزے دیگری" کے لیے یہ بیان ضروری تھا۔ یہاں مقصد واقعہ نگاری ہی نہیں، بلکہ دعوٰی کے ثبوت کے لیے اس شاعرانہ دلیل کو بیان کرنا ضروری تھا۔ اس بیان کا تعلق صرف تخیّل اور شاعری سے ہے جو شاعری میں جائز ہے ایسی خلاف واقعہ بات اگر نعت میں کہی جائے تو جائز نہ ہوگا۔ لیکن اس مضمون کو کوئی صاحب لے اُڑے اور نعت پر منطبق کر دیا۔ جو پہلے ہی نقل کیا جا چکا ہے۔

یہ کہنا کہ میں نے دنیا میں چھان مارا اور بہت جستجو
کی کہ آپ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) جیسا کہیں مل جائے
مگر کہیں نہ ملا۔ ایک مسلمان کے ایمان کے خلاف بات
ہے۔ کیوں کہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ سید عالم
صلے اللہ علیہ وسلّم جیسا کوئی بھی صفاتِ حسنہ میں
نہیں ہوسکتا، صورت وسیرت، جمال، کمال حُسنِ
اخلاق، روحانی قوت اور معجزہ یہاں تک کہ قوتِ
بشری میں بھی آپؐ کا کوئی ہمسر نہیں۔ کیوں کہ اللہ
تعالیٰ نے آپ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کو چار ہزار
مردوں کی طاقت دی تھی: ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مسلمان کا جب یہ ایمان پہلے ہی سے ہے تو اب آپ کے
کسی ہمسر کی تلاش میں کوچہ کوچہ پھرنا اس ایمان میں
شک کے مترادف ہے۔

مضمون کے علاوہ نعت میں زبان وبیان
کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ زبان وبیان کے اعتبار
سے ہم اسے دو حصّوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک تو
اصنافِ شعر اور دوسرے زبان وبیان کے محض
مسائل۔ لیکن اصناف پر زبان کو اوّلیت حاصل
ہے۔ اصناف میں زبان کا عمل دخل پورا ہوتا ہے۔
لیکن اس بحث سے پہلے ہم بعض اصولی باتوں کی
طرف توجّہ دینا چاہتے ہیں۔

اردو اور فارسی ادب میں فصاحت و
بلاغت اور معانی وبیان کے سارے مسائل قرآن
سے ماخوذ ہیں۔ معانی وبیان پر پہلے عربی زبان میں
کتابیں لکھی گئیں اور وہاں سے فارسی میں ان مسائل کو
داخل کیا گیا۔ فارسی زبان سے اردو میں یہ مسائل لیے
گئے۔ اردو اور فارسی زبان میں اب تک ادب کے
حُسن وقبیح کا معیار یہی تھا جو قرآنی بنیادوں پر قائم
ہوئے تھے۔ اسی لیے درس گاہوں میں عربی وفارسی
بلکہ اردو کے بھی ادبیات کے طالب علم کو ان اصولوں
کا جاننا ضروری تھا۔ اس کا فائدہ کم از کم یہ تھا کہ
طالب علم کو بنیادی طور پر شعر فہمی کا ذوق ہوجاتا تھا
اور وہ اس کے محاسن اور معائب کو سمجھ لیتا تھا
شعر فہمی کے لیے یہ بنیادی لوازم ہیں۔ اس کے بغیر
جدید تنقید محض عبارت آرائی ہوگی۔ جدید تنقیدی
نظریات میں مغرب سے ایک یہ نظریہ درآمد ہوا ہے
ہے کہ ناقد کو شعر کی توضیح وتشریح اور محاسنِ شعری
سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے صرف شاعر کی فکر معلوم ہونا
چاہیے یا خلاصۂ مفہوم معلوم ہوجانا چاہیے۔ (اس وقت
مصنف کا نام میرے ذہن میں نہیں ہے۔ لیکن امید
ہے کہ ناقدینِ ادب کی توجّہ اس طرف ہوجائے گی۔)
یہ نظریہ نہایت گمراہ کن ہے۔ مذکورہ بالا لوازمات
سے قطع تعلق کرلینے کے سبب آج طلبا کو محاسن و
معائبِ شعر کے محاسن ومعائب سمجھنے میں دشواری
ہوتی ہے۔ ہماری ساری کلاسیکی شاعری انھیں
اصولوں کی پابند ہے۔ ان اصولوں سے قطع تعلق کرنے
کا نتیجہ یہ ہے کہ اب طلباء اپنی کلاسیکی شاعری سے

ناواقف ہوتے جارہے ہیں۔ ایران کا حال کچھ اس سے بھی بُرا ہے۔ ایرانی طلباء خود اپنی کلاسیکی شاعری کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ مغربی اثرات کا نتیجہ ہے۔ تمام اصناف سخن میں جو زور، حسن اور اثرات پیدا ہوتا ہے وہ انھیں اصولوں کی پیروی سے ہوتا ہے۔ خواہ لکھنے والوں کو اس کا پورا علم نہ ہو۔ کیوں کہ یہ اصول ہماری روزمرہ کی زندگی میں رچ بس گئے ہیں اور ان کا استعمال روزانہ بے تکلفی سے کرتے ہیں۔ ہماری زبان کی ساخت و پرداخت انھیں اصولوں پر ہوی ہے اور زبان بن جانے کے بعد یہ اصول مرتّب ہوے ہیں۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ زبان پہلے بنتی ہے اور اس کے اصول و قواعد بعد میں۔ اہل علم مرتّب کرتے ہیں۔ اردو زبان میں یہ اصول و قواعد کسی قدر پیچیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بابائے اردو عبدالحق سے پہلے کسی نے ان کی طرح باریک بینی سے اردو قواعد مرتّب نہیں کی تھی لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات اُن سے چھوٹ بھی گئی ہو۔ (یہاں اس وقت کوئی کتاب میرے پیشِ نظر نہیں ہے) اس وقت ہمارے سامنے زیرِ بحث مسئلہ اردو زبان میں ضمیر آپ، تو، تم، تمہارا اور تیرا یعنی ضمیر واحد حاضر کے استعمال کا ہے۔ کیوں کہ نعتیہ شاعری میں کبھی کبھی بعض لوگ ابھی تک ان کے استعمال پر تشکیک میں مبتلا ہیں۔ چوں کہ ہمارے پیشِ نظر اردو قواعد کی کوئی

کتاب نہیں ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے کیوں کہ ضمیروں کا استعمال ہم روزمرّہ اور محاورہ کے مطابق کرتے ہی رہتے ہیں اور اصول تو ہمارے محاورہ کی بنا پر بنتے ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ضمیر واحد حاضر کا استعمال عام بول چال میں نہیں ہوتا اور نثری تحریر میں بھی عام طور سے نہیں ہوتا۔ انگریزی میں بھی ایسا ہی ہے۔ اردو میں "تو" کے بجائے تم اور "آپ" استعمال ہوتے ہیں۔ فارسی میں "تو" کے بجائے "تان" اور "شما" استعمال ہوتے ہیں۔

ہماری کلاسیکی شاعری میں 'تو' کا استعمال ہوتا رہا ہے اور آج بھی شعر میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہی زمانہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو "تو" کو صرف تحقیر کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اللہ تعالےٰ کو بھی آپ اور جمع کے صیغہ میں خطاب کرتے ہیں غالباً ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوگا یہی لوگ سب سے زیادہ مؤدب اور صحیح العقیدہ ہیں لیکن یہ مسئلہ خالص زبان کا ہے۔ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ اردو زبان میں یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے۔ زبان کسی گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ حرف "تو" پر بحث کرنے سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کیا اللہ تعالےٰ کو جمع کے صیغے میں خطاب کرنا درست ہے؟ اس سلسلہ میں ہمیں قرآن ہی سے ہدایت حاصل کرنی ہوگی۔ پورے قرآن پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جب اپنے لیے متکلّم کا صیغہ استعمال کیا ہے تو واحد اور جمع میں استعمال کیا ہے اور یہ اس

کا حق ہے۔ عربی میں صیغۂ متکلم میں تثنیہ نہیں ہوتا۔
اس لیے جب اللہ تعالے خود جمع متکلم کا صیغہ استعمال
کرے تو وہ تثنیہ نہیں ہو سکتا اور جب دو نہیں ہو سکتے
تو تیسرے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگر عربی میں تثنیہ کا صیغہ
ہوتا تو تثنیہ کو چھوڑ کر جمع کا صیغہ استعمال کرنا بے محل
ہوتا اس لیے اللہ تعالے کا اپنے لیے نحن استعمال کرنے
سے نہ تثنیہ ہو سکتا ہے نہ جمع۔ بہر حال میں اللہ تعالے کے
لیے واحد ہی کا مفہوم نکلتا ہے۔ عربی زبان میں تثنیہ
نہ ہونے کی حکمت بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس
سے عربی زبان کی ایک عجیب و غریب خوبی کا بھی پتہ چلتا ہے
لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بندہ حاضر اور غائب
کے صیغے میں اللہ تعالے کو کس طرح خطاب کرے؟
قرآن میں جہاں کہیں خدا نے اپنے کو بندہ سے مخاطب
کرایا ہے وہاں صرف واحد کے صیغہ ہی میں خطاب
کرایا ہے۔ واحد حاضر کے صیغہ میں لکَ، انتَ اور
واحد غائب کے صیغہ میں لہٗ اور ھُو۔ اس سے ہمیں یہ
سبق ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالے کو واحد ہی کے صیغہ
میں خطاب کریں۔

اردو میں واحد حاضر "تُو" ہے اس کا استعمال
تحقیر کے لیے بھی ہوتا ہے اور تعظیم کے لیے بھی۔ لیکن محلِ
استعمال پہ یہ احتمال باقی نہیں رہتا کہ یہ لفظ تحقیر
کے لیے ہے یا تعظیم کے لیے۔ یعنی موقعہ استعمال پہ
معنی قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا استعمال
اس طرح ہو کہ دونوں معانی مراد لیے جا سکیں تو اس کا
استعمال ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور اگر اللہ و رسول کے لیے ہے
تو احتمال کفر بھی ہے۔

"تُو" کا استعمال جب تحقیر کے لیے ہوتا ہے
تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مخاطب اپنے وجہ تحقیر میں
فرد ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی اس لفظ کو جس
قصوروار کے لیے بطور تحقیر کوئی استعمال کرے تو اسے
یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس قصوروار میں دوسرے کو شامل
کرے۔ اس لیے اگر وہ اپنے غصّہ کا اظہار ہی کرنا
چاہتا ہے تو لفظاً "تُو" استعمال کرتا ہے۔ جس کا
مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک ہی شخص کو قصوروار
ٹھہراتا ہے دوسرے کو نہیں۔

"تُو" کا استعمال کبھی اپنے برابر والے ایک دوسرے
کے لیے کرتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز محل ادب و لحاظ نہیں
ہوتی بلکہ شائستگی کا بھی لحاظ رکھنا ضروری نہیں
ہوتا اور اکثر بے تکلفی ہوتی ہے یا پیار و محبت کا جذبہ
ہوتا ہے۔ لیکن کسی بھی بڑے آدمی کو اس طرح خطاب
کرنا بے ادبی ہوگی۔

اردو شاعری میں ہمارے قدما سے لے کر آج
تک سبھی شعراء بشمول صوفی شعراء نے بھی اللہ تعالے
کے لیے تُو، تیرا، تیرے، استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب
یہی ہے کہ اللہ تعالے اپنی ذات و صفات میں فرد ہے۔
اس فردیت کا اظہار اردو میں "تُو" اور فارسی
میں "تُو" سے ہوتا ہے۔ یہ استعمال ابتداء سے بکثرت رائج
ہے۔ اس لیے مثالوں کی ضرورت نہیں۔ صرف

نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس کے لیے قدما اور بزرگ شعراء سے بھی مثالیں نہیں پیش کی جاسکتیں۔ موجودہ دور میں اگر کوئی بزرگ شخصیت بھی اس اصول کے خلاف روش اختیار کرے تو اسے سند کے طور پر نہیں پیش کیا جاسکتا۔

فارسی میں بھی آپ کی جگہ "تان" استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی روزمرّہ کے آداب میں داخل ہے۔ اس میں سب برابر والے شریک ہیں۔ فارسی نعتیہ شاعری میں سید عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے "تو" اور "توئی" کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ اللہ تعالٰے کے لیے ضمیر استعمال کرنے کا طریقہ شعر میں یہ رہا ہے کہ اگر ضمیر حاضر یا غائب واحد ہے اور لفظاً ظاہر ہے تو اس کے لیے فعل بھی واحد لاتے ہیں اور اگر ضمیر ظاہر نہیں ہے تو ایسے موقعہ پر فعل جمع لاسکتے ہیں۔

یہ صرف فارسی زبان کی خصوصیت ہے اس کی وضاحت کے لیے مثالیں ضروری ہیں۔ پہلے ایک شعر نقل کیا جاتا ہے جس میں خدا کو بطورِ فاعل استعمال کیا ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں: ؎

اگر خدائے کسے را بہر گناہ بگیرد
زمین بنالہ در آید زمانہ آہ بگیرد

یہاں فاعل کی مناسبت سے فعلِ واحد استعمال کیا ہے۔

حافظ شیرازی ہی کے شعر سے ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس میں فعل جمع استعمال کیا ہے

از لذّتِ حیات ندارد تمتعے
ار وز ہر کہ وعدہ بفرادتش میدہند

حدیث شریف میں ہے کہ دُنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے جس کو جنّت کی خواہش ہے یا جسے دیدارِ خدا مرغوب ہے اُسے لذّاتِ دُنیوی میں غرق ہونے سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دُنیا میں بغیر کھائے پیئے اور سرد و گرم سے احتیاط کیے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔ لیکن اصول یہی ہے کہ آدمی بقدر ضرورت دُنیا کو استعمال کرے۔ اس کے لیے اُسے حرص و ہوس اور عیش و عشرت کو ترک کرنا پڑے گا یہاں 'میدہند' کا فاعل خدا کی ذات ہے۔ لیکن چونکہ فاعل لفظاً مذکور نہیں ہے اس لیے فعل جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس وعدہ کی اطلاع بندوں کو، فرشتوں، رسولوں اور آسمانی کتابوں سے ہوی ہے۔ یہ سب کام اللہ تعالٰے اُن فرشتوں سے لیتا ہے جو اِن اُمور پر مقرّر ہیں۔

حافظ کا یہ شعر مشہور ہے۔ ؎

آسماں بارِ امانت نتواست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

یہ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین و آسمان اور پہاڑ اور دریا پر جب وحیٔ الٰہی کی امانت پیش کی گئی تو سب نے انکار کردیا۔ انسان نے قبول کرلیا یہاں فاعل کو لفظاً ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ 'زدند' فعل جمع لایا گیا ہے۔

غالب کا ایک شعر نقل ہے: ۵

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اب سوال یہ ہے "تو" کا استعمال غیر خدا کے لیے تعظیم کے لیے کب استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک افضل خلائق سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا تعلق ہے تو یہ وہ ذات ہے جو مخلوق میں فرد ہے۔ اس لیے مخلوق میں اس ذات کی فردیت کے اظہار کے لیے 'تو' ہی کا استعمال زیادہ مناسب اور بلیغ ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں کہتے ہیں: ع

خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

کبھی ایسی خوبی کا بیان ہوتا ہے جو اگرچہ دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس خوبی میں آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل کوئی نہیں ہے۔ مثلاً حضرت مولانا احمد رضا خاں ہی کا کلام ہے:

مصر نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں زیادہ مناسب "تجھ سے" کا استعمال ہے۔ لیکن ہمارا مدعا دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جود و سخا میں سید عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمسر کوئی نہیں ہے۔

یوں تو کسی خوبی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ہمسر نہیں ہے لیکن جزئیات کا جب بیان کیا جائے گا تو اسی مناسبت سے لفظوں کا استعمال ہوگا جس طرح باری تعالے کے لیے بھی اسمائے حسنیٰ ہیں۔ لیکن قرآن میں ہر ایک کا بیان موقعہ اور محل کے مطابق ہوا ہے

ضمیر "آپ" کا استعمال ہماری روزمرّہ زندگی کے آداب میں داخل ہے۔ یہ اردو کلچر، اردو تہذیب اور اردو ادب کی دین ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ہم "آپ" کہہ کر تعظیم کا حق ادا کر رہے ہیں اخلاقیات میں ہم دشمن اور کافر کو بھی "آپ" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ جہاں تعظیم اور بڑائی کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تو اردو سے پہلے بھی اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً جہاں پناہ، اعلیٰ حضرت، عُلیا حضرت، والا جاہ، جنابِ والا وغیرہ۔ جہاں پناہ تو اب نہیں رہ گیا لیکن باقی الفاظ حاضر کے موقعہ پر بھی خطاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ انگریزی میں

HIS HOLINESS، HIS HIGHNESS

وغیرہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں لیکن ضمیر واحد حاضر کے طور پر ہمارے پاس دو ہی الفاظ ہیں "آپ" اور "تم"۔ جہاں 'تو' کے استعمال کا موقعہ نہیں ہے وہاں آپ اور تم ہی استعمال ہوگا۔ لیکن 'تم' کا استعمال شعر ہی میں جائز ہوگا یا نثر میں اس کا استعمال ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو مرتبہ میں یا عمر میں چھوٹے ہیں۔ لیکن یہ کوئی کلیہ بھی نہیں ہے۔ یہ اصول ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہو سکتی ہے۔ زبان کے استعمال کے سلسلہ میں ہمارے لیے سند قدماء اور بزرگ شعراء ہیں۔ لیکن اللہ تعالے کے لیے آپ اور تم کا استعمال کسی طرح جائز

نعت ہر زبان میں لکھی جا سکتی ہے اور ہر صنفِ شاعری میں لکھی جا سکتی ہے۔ فارسی میں بالخصوص قصیدے کی ہیئت میں نعتیں لکھی گئی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نعتیہ شاعری کسی بھی صنفِ سخن میں ہو سکتی ہے اور ہر صنفِ سخن میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقائق کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے اور اگر حقائق یا دلائل شاعرانہ ہوں تو ان کی تاویل نعت کے مناسب ہو ورنہ شاعرانہ حقائق سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں ایک شعر سے مثال دی گئی ہے۔

نعتیہ شاعری قصیدے میں زیادہ پرشکوہ نظر آتی ہے۔ قصیدے میں اندازِ بیان جتنا پُر زور اور پُر شکوہ ہو سکتا ہے وہ دوسرے اصنافِ سخن میں بہت کم نظر آتا ہے۔ ہاں مثنوی میں رجزیہ شاعری پُر زور اور پُر اثر انداز میں کی گئی ہے۔ سید عبداللطیف ذوقی ویلوری کی مثنوی "معجز مصطفےٰ" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی بیّن مثال ہے۔ ذوقی کی اس مثنوی پہ راقم بہت پہلے تفصیل سے لکھ چکا ہے۔

فارسی میں حضرت ذوقی علیہ الرحمہ نے کثرت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان کے قصاید تقریباً سبھی نعت و منقبت میں ہیں۔ ذوقی کے قصائد پہ بھی راقم متعدد مضامین لکھ چکا ہے۔ عرفی کے نعتیہ قصائد بہت مشہور ہیں۔ اس کے دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ ؎

انعام تو بر دوختہ چشم و دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را
تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
لیلائے حدوث تو و عذرائے قدم را

"تجلّیات" میں راقم کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے۔ یہ قصیدہ ایران، پاکستان، ادارۂ تحقیقات فارسی کے مجلہ "دانش" میں بھی چھپ چکا ہے۔

شعر لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس میں غنائیت ہوتی ہے۔ غنائیت کی وجہ سے شعر زیادہ رواں اور اثر انگیز ہو جاتا ہے اور چوں کہ نعت اکثر مذہبی تقاریب میں اور خصوصاً سماع کے موقعوں پر پڑھی جاتی ہے اور سماع میں تو ساز کا التزام بھی ضروری ہوتا ہے کیوں کہ اس سے غنائیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کی ہیئت میں نعت زیادہ لکھی گئی ہے کیونکہ غزل میں ردیف کی تان، قافیہ کی جھنکار اور پھر غزل کی بحر کی مخصوص موسیقیت غنائیت پیدا کرنے میں بہت معاون ہوتی ہیں۔ اس لیے غزل کے فارم میں نعتیں زیادہ لکھی گئی ہیں۔ اور پڑھی بھی جاتی ہیں۔

ترنم اور غنائیت کے لیے ہندی اور اودھی الفاظ کا استعمال بھی اردو میں بکثرت ہوا ہے اور ان کے استعمال سے مختلف طریقوں سے غنائیت پیدا کی گئی ہے غنائیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ لفظوں کی تکرار ہے۔ جیسا کہ حافظ شیرازی کے کلام میں کہیں کہیں ملتا ہے۔ مثلاً ایک غزل میں ردیف کی تکرار ہے۔ ع

خطائے رفتہ رفتہ

کچھوچھہ شریف کے بزرگ سیّد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے نعتوں اور نعتیہ گیتوں کا مجموعہ "تحالیف اشرفی" کے نام سے لکھا تھا۔ اس میں ایک عارفانہ غزل میں تکرار لفظ سے کام لیا ہے۔ اور اس سے حسنِ صوتی میں اضافہ کیا ہے۔ ؎

کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہو مجھے تم
کیوں میری تلاش میں ہوتے ہو گم
فی انفسکم فی انفسکم فی انفسکم

ایک مصرعہ میں یوں تکرار ہے: ع

انا اقو بکم انا اقو بکم انا اقو بکم انا اقو بکم

اسی انداز میں پورا کلام ہے۔

یہ تکرار صرف عربی اور فارسی ہی میں جائز نہیں بلکہ کسی زبان میں بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کا تعلق چوں کہ شعری محاسن سے ہے۔ اس لیے اس میں جواز اور عدمِ جواز کی بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ اس طرح کے سوالات سامنے آتے ہیں اس لیے اس پر بھی خامہ فرسائی کرنی پڑی۔ اردو میں لفظوں کی تکرار سے کسی طرح موسیقی اور غنائیت پیدا ہوتی ہے، اس کے لیے راقم اپنی ہی کتاب "تجلّیات" سے مثالیں پیش کرتا ہے۔ ؎

یادِ نبی کی جوت سے جو دل جگمگ جگمگ جگمگ جگمگ ہے
اس کے سر پر رحمتِ باری پگ پگ پگ پگ پگ پگ ہے

اور یہ کہ شعر میں بیان کردہ حقیقت سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ تجلّیات میں ایک نعت کے کئی اشعار میں لفظوں کی تکرار سے موسیقیت اور تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں مدّھم مدّھم، رم جھم رم جھم، کم کم، تھم تھم، کی تکرار ہے۔ ایک جگہ چھم چھم کی تکرار اس طرح ہے۔

دل محو رقصِ ہے ہم رقصم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم

جن لفظوں کی تکرار ہوئی ہے، وہ سب ہندی کے ہیں۔ یہ لفظوں سے کھیلنا نہیں ہے بلکہ لفظوں کا استعمال اس طرح کرنا ہے جن سے موسیقیت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ کلام کا حُسن ہے۔ 'تجلّیات' ہی سے ایک ایسی مثال دی جاتی ہے۔ جس میں فارسی لفظ کی تکرار ہے۔

فرقت میں رفیق اپنی تنہائی ہے تنہائی
تنہائی ہی تنہائی تنہائی ہی تنہائی

حافظ شیرازی نے ایک غزل میں ہر شعر میں صرف لفظوں کو الٹ پلٹ کر شعر پورا کر دیا ہے۔ یعنی پہلے مصرعہ میں جو الفاظ ہیں دوسرے مصرعہ میں اس کی ترتیب بدل دی ہے اور مصرعہ درست ہو گیا ہے۔ یہ بھی ایک فن ہے۔ "تجلّیات" میں بھی ایک کلام اسی طرح ہے۔

؎ اللہ کی طاعت ہے آقا کی اطاعت میں
آقا کی اطاعت ہے اللہ کی طاعت میں

اس نعت میں نو اشعار ہیں اور ہر شعر میں یہی التزام کیا گیا ہے۔

جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ نعت ہر صنفِ سخن میں لکھی جا سکتی ہے اور نعتیہ گیت بھی لکھے جا سکتے ہیں یو پی اور بہار میں نعتیہ گیت کثرت سے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ اور گیت چوں کہ ہندی اور اودھی زبان میں

زیادہ شیریں ہوتے ہیں۔ اسی لیے بالعموم ہندی اور اودھی ہی میں گیت لکھے جاتے ہیں۔

علی احمد جلیلی نے اپنی کتاب "نقد و نگاہ" میں نعت پر ہندی اور ہندوی اثرات کا بھی مختصر جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ نعت پر ہندی زبان کا اثر بھی بہت رہا ہے۔ اور ہندی زبان کے الفاظ اس میں بہت استعمال کئے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندی مذہب و معاشرت اور ہندو مذہبی علائم بھی استعمال کئے گئے ہیں۔

جہاں تک ہندی لفظوں کا تعلق ہے تو اردو زبان میں ان کا چلن ہوتا ہی رہا ہے مسئلہ یہ ہے کہ مذہبی علائم کا استعمال کس طرح ہوا اور ہو سکتا ہے۔ علی احمد جلیلی نے محسن کاکوروی کے قصیدے سے یہ اشعار نقل کئے ہیں: ؎

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیّا کے ہے ڈوبا بادل

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

راجہ اندر ہے پری خانہ مے کا بانی
نغمہ نے کاسری کرشن کنھیّا بادل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

یہ طویل قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے: ؎

کہیں جبریل اشارے سے کہا بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

اس میں بنارس اور دوسرے شہروں کے مذہبی تقدس کو علائم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ شیخ علی حزیں نے بنارس کے متعلق یوں لکھا ہے: ؎

از بنارس نروم معبد عام است ایں جا
ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است ایں جا

شیخ علی حزیں نے بنارس میں جو دیکھا واقعہ کے طور پر بیان کر دیا۔ اسے یہ منظر بڑا انوکھا لگا یہاں تک کہ اس منظر اور اس کے پس منظر سے واقفیت کے لیے اس نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ بنارس چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہیں کرتا۔ یہاں برہمن کا بچّہ لائقِ پرستش ہے اور اس کی پوجا ہوتی ہے کہ گویا وہ رام اور لچھمن ہے۔ یہ ایک مخصوص مذہبی پس منظر ہے اور اس کا اپنا تقدّس ہے جو منفرد ہے۔ اسلام میں تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی بزرگ مخلوق ہستی معبودیت کا مقام نہیں پا سکتی۔ اوپر نقل کردہ تمام اشعار نعت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ نعتیہ قصیدے

میں تشبیب کا نعت سے مناسبت رکھنا ضروری ہے۔
علی احمد جلیلی نے اپنی اسی کتاب میں امجد حیدر آبادی کی ایک نعتیہ گیت کے دو بند نقل کئے ہیں جس کا ٹیپ کا شعر یہ ہے جو نعت سے مناسبت نہیں رکھتا : ؎

جوگن کی جھولی بھر دے اور رام نام والے
اس بت کو رام کر دے اور رام نام والے

نعت میں ایسے اشعار بھی لکھے جاتے ہیں جن کا تعلق اخلاقی بلندی اور اوصافِ حسنہ سے ہوتا ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مکارمِ اخلاق یعنی میں اخلاق کے تمام محاسن کو کمال تک پہنچانے کے لیے آیا ہوں اور اللہ تعالٰی نے خود آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم یعنی بے شک آپ اخلاق کی بڑی بلندی پر ہیں ۔ آپ کی ذات تمام اخلاقی خوبیوں کا سر چشمہ ہے اس لیے جہاں بھی اخلاق حسنہ کی تعریف کی جائے تو اس کا تعلق آپ کی ذات سے ہوگا اور اخلاقی تعلیمات آپ کی ہدایت کا جزو بھی ہیں ۔ "تجلیات" سے اس طرح کا صرف ایک شعر بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہے ۔ ؎

وہ آدمی نہیں جس سے ہو آدمی کو ضرر
وہ آدمی ہے جو کام آئے آدمی کے لیے

قصیدہ میں ایسے اشعار کی گنجایش زیادہ ہوتی ہے خصوصاً تشبیب کے اشعار میں ۔ نعتیہ قصیدے میں تشبیب بمشکل تر کام ہے ۔ کیوں کہ اس کا نعت سے مناسبت رکھنا ضروری ہے ۔ عرفی کے ایک مشہور نعتیہ قصیدے کے تشبیب کے دو اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں : ؎

اقبالِ کرم میگزد ارباب ھمم را
صحبت نخورد نیشترلا و نعم را

بے برگیِ من داغ پند بر دلِ سلماں
بے مہریِ من زرد کند روے درم را

پہلے شعر میں کہا گیا ہے کہ ہمت والے کسی سے کچھ سوال نہیں کرتے کیوں کہ کرم کا قبول کرنا انھیں ڈستا ہے ۔ یہ شعر حدیث کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کا تعلق نعتیہ اشعار سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ایک بات کی ضمانت تم دو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں ۔ انھوں نے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی حاجت سوائے خدا کے کسی سے نہ طلب کرو اس کے بعد حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور اگر آپ کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی سے اٹھانے کو نہ کہتے خود گھوڑے سے اتر کر کوڑا اٹھا لیتے ۔
دوسرے شعر میں دُنیا کی طرف اپنی بے التفاتی کا ذکر کیا ہے جو بالکل واضح ہے ۔
نعت میں دعائیہ اشعار بھی لکھے جاتے ہیں ۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دُعا صرف اللہ تعالٰی سے کرنی چاہیے لیکن جب وہ اللہ کے محبوب سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب کی دُعا خصوصاً نبی کی دُعا رد نہیں ہوتی کیوں کہ اُن کی

مرضی مرضیٔ حق ہے۔

اس بحث میں خصوصی توجہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے صیغۂ واحد حاضر استعمال کرنے کی طرف دی گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس معاملہ میں یہاں تک مذبذب نظر آتے ہیں کہ خدا کے لیے بھی آپ استعمال کرتے ہیں اور پھر فوراً بعد تو بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں خود یہ نہیں معلوم کہ یہ ضمیریں کیوں استعمال کرتے ہیں، اور ان کی کیا معنویت ہے اس لیے راقم نے اسے جس طرح سمجھا اسے تفصیل سے توجیہات کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) خدا کے لیے آپ یا تُم کا استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں کیوں کہ یہ دونوں ضمیریں فعلِ جمع چاہتی ہیں۔ بندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کو واحد کے صیغے میں خطاب کرے۔

(۲) رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے تُو یا تیرا کا استعمال اس وقت جائز ہوگا جب بیان میں آپ کے کمالات کی یا کسی کمال کی فردیت کا ذکر ہو۔

(۳) نثر میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے صرف "آپ" ہی استعمال کرنا درست ہوگا اور یہ استعمال کسی بھی بزرگ ہستی کے لیے زیبا ہے۔

(۴) شعر میں رسول اکرم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے تم یا تمہارا استعمال کرنا جائز ہوگا اور یہ استعمال کسی بھی بزرگ ہستی کے لیے زیبا ہے۔

(۵) ایک مسئلہ 'حضرت'، آنحضرت اور اعلیحضرت کا ہے۔ اس بارے میں بھی راقم واضح طور پر لکھنا چاہتا ہے۔ اعلیحضرت کا مطلب کسی ایسی ہستی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو بعض پر فضیلت رکھتی ہو۔ اس لیے رسول کریم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں کیوں کہ آپ افضل خلائق ہیں۔ آنحضرت کا مشارٌالیہ جب رسول اکرم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات ہوگی تو اس کے ساتھ صلّے اللہ علیہ وسلّم یا کوئی اور درود لکھنا ضروری ہے۔ شعر میں چوں کہ مشارٌالیہ قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے مشارٌالیہ اگر آپ صلّے اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہے تو درود لکھنا اور نہ لکھنا دونوں جائز ہوگا۔ اگر نام کے ساتھ حضرت لگا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ درود لکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حضرت تنہا بطور اسم اشارہ استعمال ہوا اور مشارٌالیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہے تو اس کے ساتھ درود کا ہونا واجب ہے۔ لیکن شعر میں چوں کہ قرینے سے مشارٌالیہ معلوم ہو جاتا ہے اس لیے درود لکھنا اور نہ لکھنا دونوں جائز ہے۔

اس مضمون میں جہاں رسول اکرم صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے ضمیر "آپ" استعمال کی گئی ہو تو ہم نے اکثر اس کے ساتھ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم لکھا ہے کبھی نہیں بھی لکھا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے نام پر درود نہ

بقیہ صفحہ 128 پر ملاحظہ ہو۔

دوسری قسط:

سادات کی عظمت

★ حضرت مولانا مولوی قاری الحاج ڈاکٹر حکیم سیّد افسر باشاہ صاحب قاسمی صبغۃ اللّٰہی
شفاء ڈسپنسری۔ گڑیاتم

حسبِ فرمائش: حضرت مولانا مولوی سیّد شاہ فقیر اللہ حسینی باقوی قادری مدظلہ العالی

کہ کل تمہارے ساتھ ہمارا شاہی پہلوان مقابلہ پر نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کے شاگرد کے شاگرد سے تم کو پنجہ لڑانا ہوگا۔ اور زور آزمائی کرنی ہوگی۔

چنانچہ بادشاہ نے بوڑھے کو بلوایا اور اس کے سامنے یہ بات رکھی تو بوڑھے نے صاف انکار کردیا کہ نہیں ہجور (حضور) ہم ایرے غیرے سے کشتی نہیں لڑیں گے۔ اس میں ہماری توہین ہے۔ ہم کیوں اپنی توہین کھامکھا (خواہ مخواہ) سے برداشت کریں۔ اس میں عجت (عزت) کا سوال ہے۔ دولت کا نہیں ہے آپ فرمائیں گے کہ ہمارے کسی بھی آدمی سے پنجہ لڑاؤ اور باجی (بازی) لے جاؤ تو حسبِ وعدہ اور تحریر اپنے وجن (وزن) کا سونا لے جاؤ۔ مگر جہاں پناہ! یہ تو بعد کی بات ہے جمنی (ضمنی) چیز ہے۔ کھُسی (خوشی) کا سودا ہے۔ اور آپ کی جانب سے ایک بیش قیمت تحفہ اور انعام ہے۔ لیکن پہلے تو مجھے آپ کے شاہی پہلوان ہی سے مکابلہ (مقابلہ) کرنا ہے ورنہ یہ مکابلہ (مقابلہ) کسی دوسرے پہلوان سے ہوا، شاہی پہلوان سے نہ ہوا تو پھر کیا فائدہ ایسے مکابلہ (مقابلہ) سے؟ اور آپ نے اپنی تکتی (تختی) میں جو شرط لگوائی ہے وہ بھی پوری نہ ہوی ادھوری رہ گئی بیکار گئی۔

بادشاہ: بوڑھے میاں تم پہلے یہ تو بتاؤ کہ اپنے گھر والوں کو کچھ وصیّت وغیرہ بھی کر آئے ہو یا نہ؟

بوڑھا: ہجور (حضور) وصیّت کسیّت تو ہم نہیں جانتے۔ صرف لڑنا جانتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہوتی ہے؟ ہم کو نہیں معلوم۔

بادشاہ: اچھا جاؤ۔ کل وقتِ مقرّرہ پر حاضر ہوجاؤ۔

بوڑھا: آداب بجا لاتے ہوئے چلا گیا اور خلیفہ نے شاہی پہلوان کو حاضر کرنے کا حکم دے دیا۔

شاہی پہلوان حاضر ہوکر سلام بجالاتا ہے پھر

بادشاہ نے اُسے سمجھایا کہ اس میں کسرِ شان کی بات ہی کیا ہے؟ بوڑھا اپنی بات پر اَڑا ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ تم بھی اس سے زور آزمائی کرلو۔ اگرچہ کہ وہ اس قابل نہیں کہ تم سے ہاتھ ملائے۔ وہ ہرگز ہرگز تمہاری ایک انگلی کی مار کی تاب بھی نہ لاسکے گا اور ایک پرندہ کی طرح پھڑپھڑا کر مرجائے گا۔ دَم توڑدیگا اسمیں اپنی توہین نہ سمجھو۔ عزت تو بس اس خالق و پروردگار کے ہاتھ ہے جو سب کا پالن ہار ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے اور جسے چاہے ذلیل و خوار کردے اور تمہاری آن بان میں یہ کوئی کسرِ شان نہیں ہے۔ جاؤ اللہ مالک ہے اور وہی سب کا کارساز بھی ہے۔

اب پہلوان کا جی نہ مانتے ہوئے بھی مان گیا۔ طوعاً و کرہاً قبول کرلیا اور چُپکے سے وہاں سے چل دیا۔

اگلے دن شہر بغداد کے گھر گھر اور گلی گلی سے انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹیں مارتا فراٹیں بھرتا ایک جگہ جمع ہورہا ہے۔ حدِ نگاہ تک لوگوں کا ہجوم و اژدھام ہے اور ہر طرف دھکم دھکا اور ریل پیل ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے۔ تماش بین کے اس بے پناہ ہجوم کا مطمحِ نظر اور زاویۂ نگاہ ایک اور صرف ایک ہے۔ ان میں کچھ تو جوش کے ساتھ آئے ہوئے ہیں اور کچھ ہوش کے ساتھ اور ہمہ تن گوش بھی ہیں۔ کہ ایک دیو ہیکل پہلوان کے ساتھ ایک دُبلا پتلا لاغر بڈھے کا جوڑ بھی کیسا انوکھا اور نرالا جوڑ ہے وہ بھی برسوں مدتوں بعد شاہی خزانے کو ہتھیانے والا اور چیلنج کرنے والا بھی ایسا کہ جس پر ”یہ مُنہ اور مسور کی دال“ کی کہاوت صادق آتی ہے اور یہ محاورہ پوری طرح چسپاں ہورہا ہے۔ ایک اَن ہونی بات کا چیلنج ہے اور ایک ناممکن کا ممکنات سے دوچار ہونے کا چیلنج ہے چلو دیکھیں کہ آخر اس کے اندر کیا راز ہے؟ کیا بھید ہے؟ اور کیا اشارہ ہے؟

ہر دُور و نزدیک سے کشاں کشاں لوگوں کی آمد ہی آمد ہے اور ایک وسیع و عریض، بہت بڑا میدان دیکھتے ہی دیکھتے بھر جاتا ہے۔ ہر پیر و جواں تاریخ کے اس انوکھے اور نرالے پن کے مظاہرہ پر بے تاب و بے قرار ہے اور میدانِ کارزار ہیں جیسے ہی خلیفۂ ہارون رشید اور اس کے نگران، درباری سپاہی اور وزراء آپہنچے خلیفہ کے اشارہ پر شاہی پہلوان اور نووارد بوڑھا دونوں آموجود ہوئے۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ دونوں کے چہروں پر سکون و اطمینان کے آثار نمودار ہیں۔ جس طرح شاہی پہلوان مطمئن ہے اسی طرح نووارد بوڑھا بھی پورے اطمینان کے ساتھ جلوہ افروز ہے سب کی حیرت اسی بوڑھے کی طمانیت پر تھی اور سب کی نگاہیں اسی پر مرکوز ہوکر رہ گئی تھیں کہ اسے کیا ہوگیا؟ یہ کہیں دیوانہ اور پاگل تو نہیں؟ جو اس طرح موت کے منہ میں آپہنچا ہے۔

پہلے دونوں پہلوانوں کی علیک سلیک ہوئی۔

پھر شاہی پہلوان نے کہا پہلا وار آپ کریں گے یا مجھے کرنے دیں گے؟ کیا میں آپ پر داؤ چلاؤں یا آپ مجھ پر داؤ چلائیں گے؟

بوڑھے نے کہا: نہیں جناب پہلے ہم تم پر اپنا وار کریں گے پھر آپ مجھ پہ وار کرنا۔

پہلوان: اچھی بات ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ اب

آپ ہی اپنا گر دکھاؤ۔

بوڑھا: جرور جرور (ضرور ضرور) ہم اپنا ہنر دکھائیں گے۔

اب شاہی پہلوان پورے اطمینان سے تماش بین کی حیثیت سے کھڑا رہ جاتا ہے۔ وہ بھی اس انداز سے کہ "زمین جنبد، نہ زماں جنبد نہ جنبد گل محمد" کے مطابق ایک پہاڑ اور لوہا لاٹ کی طرح کھڑا ہوا ہے۔

چاروں طرف سے لوگ ہمہ تن گوش ہوئے ٹکٹکی باندھے بغور دیکھ رہے ہیں۔ اور ہر بچہ جانتا ہے کہ آج بوڑھے میاں کی خیر نہیں۔ ہمارے پہلوان کے ایک ہی مار سے بوڑھا گیند کی طرح اُڑ کر بہت دور جا گرے گا اور آنِ واحد میں دم توڑ دے گا۔

اب نووارد بوڑھا کانپتے لڑکھڑاتے شاہی پہلوان کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ تو بڑی مشکل سے ایک چکر جوں توں پورا ہوا اور شاہی پہلوان حیرانی کے عالم میں اسے دیکھے جا رہا ہے کہ یہ بوڑھا آخر کیا چاہتا ہے؟ یہ کوئی مذاق تو نہیں اُڑا رہا ہے؟ اور ایک ماں کی گود میں بلبلاتا بچہ جس طرح رینگتا ہے اسی طرح بمشکل لڑکھڑاتا چل رہا ہے۔ اب اس کا یہ دوسرا چکر ہے اور اب کی وہ اتنا قریب آ گیا گویا کانا پھوسی اور سرگوشی ہو رہی ہو اور وہ چپکے سے یہ کہہ گیا کہ "جناب میں سید زادہ ہوں۔ سادات میں سے ہوں۔ ذرا میری لاج رکھ لینا۔"

بس یہ سُننا تھا کہ شاہی پہلوان کے پسینے چھوٹ گئے۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل کی حالت دگرگوں ہو گئی اور اب تک تو اس بوڑھے آدمی کے جسم پہ رعشہ تھا اور اب شاہی پہلوان کے دل و دماغ اور اندرونی اعضاء کانپ رہے ہیں۔ اسی عالم میں اس بوڑھے نے پھر تیسرا چکر کاٹتے ہوئے شاہی پہلوان کے سینے پہ ایک دھول رسید کی اور شاہی پہلوان اس کی تاب نہ لا سکا اور دھڑام سے چت گر گیا۔

مجمع میں کہرام مچ گیا۔ اس اچانک اور دفعتہً کایا پلٹ کی وجہ بظاہر کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ آئے کیوں کر؟ کہاں ہاتھی اور کہاں چیونٹی؟ یہ کیسے ممکن تھا؟ اسے تسلیم کرنا محال تھا۔ دنیائے تاریخ اس انوکھی اور نرالی جیت کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی، وہ کیسے تسلیم کر لے گی؟ عقل و خرد اسے ماننے پہ آمادہ نہیں۔ جب کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اسے نہیں مانے گا۔ کیوں کہ یہ "مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال است" والا معاملہ ہے۔

اس لیئے چاروں طرف سے آوازیں اٹھیں کہ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نہیں مانیں گے، بوڑھے نے کچھ جادو وادو کر دیا ہے۔ منتر و نتر پڑھ دیا ہے۔ اس لیئے دوبارہ کھیلا جائے۔ ادھر خلیفہ ہارون رشید کی ضمیر بھی یہی کہہ رہی تھی وہ کیسے مان لے گا؟ جو عقل و سمجھ سے ہوش و حواس سے بھی بالاتر ہو۔ چناں چہ خلیفہ نے حکم دیا کہ پھر دوبارہ کھیلو۔

اب کی بار بوڑھے نے ایک ہی چکر کاٹا اور جیسے ہی پہلوان کے سینے پہ ہاتھ مارا۔ پہلوان صاحب پھر شانوں کے بل گر پڑے۔

سارا مجمع حیرت واستعجاب اور اس اَن ہونی بات پر حیران وپریشان وسرگرداں ہے۔ ایک لمحہ کے لیئے بھی عقل اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے۔ یہ کیا راز ہے؟ اور کیا مُعمّہ ہے؟ سمجھ سے باہر ہے، سب ہی محوِ حیرت میں پڑے ششدر رہ گئے۔ فیا للعجب!

بادشاہ اپنے پہلوان سے: سچ سچ بتا۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟ کیا وہ تیری طاقت سے بھی زیادہ طاقت ور تھا اور ہے؟

شاہی پہلوان: حضورِ جہاں پناہ! میں کیا عرض کروں کہ اس بوڑھے کے پاس وہ گُر اور کمال ہے کہ جس کے آگے ہمارے سارے کمالات ماند پڑ جاتے ہیں محض اس کا ایک اشارہ میرے اس طاقت ور دیو ہیکل جسم کو پارہ پارہ کردیتا ہے۔ اور اس کا ایک داؤ میرے جسم کے رگ رگ اور نس نس میں سرایت کرجاتا ہے اور انھیں ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے آگے میں بے بس ہوں۔ مجبور ہوں۔ میرے قُویٰ کام نہیں کرتے جیسے ہی اس کا پنجہ میرے سینے پر پڑتا ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ سینہ چاک ہوجائے جگر کے پار ہوجائے اور جل کر خاک ہوجائے۔ نس نس میں رعشہ کپکپی اور ہیبت ایسی طاری ہوتی ہے کہ پورا بدن پسینہ سے تر بتر ہوتا ہے۔ کون ایسا کمینہ ہوگا جو حضور کی نمک حرامی کرے؟ مجھے معاف فرمادیں، حضور! میں اس قابل نہیں رہا کہ آپ کو منہ دکھاؤں اور اس بوڑھے سے نظریں ملاؤں، اور پنجہ لڑاؤں۔ یہ حقیقت ہے کہ میری توہین تو مجھے برداشت ہے مگر آپ کی توہین اور نیک نامی میں فرق آئے یہ مجھے برداشت نہیں۔ اس لیئے میں بر سرِ عام حضور کے دربار میں حضورِ عالی کی خدمت میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے آپ کی اس ملازمت سے بھی دست بردار ہو رہا ہوں کہ اب میں آپ کی خدمت کے بھی لائق وقابل نہیں رہا۔

بادشاہ: سچ سچ بتا، تم دونوں میں کوئی سازباز تو نہیں ہوئی ففٹی ففٹی کی؟ کہ میں چُپ سادہ رہوں گا۔ تم خزانہ لے جانا پھر ففٹی ففٹی کی تقسیم عمل میں لانا۔

شاہی پہلوان: قسم بخدا اگر میں نے ایسی کوئی بات کی ہے تو میری بُوٹی بُوٹی اڑا دینا اور جو چاہے سزا دینا میں اس کے لیئے تیار ہوں۔

بادشاہ درباری اور پورے عالم کی عقل و دانش اس اَن ہونی جیت پر حیران و دنگ ہے۔ اب بھی ان کی عقلیں اسے تسلیم کرنے تیار نہیں۔ ایک منٹ کے لیئے بھی آمادہ نہیں۔ پھر بھی بجبر واکراہ اپنے حسبِ وعدہ حکم جاری ہوا کہ پہلے پہلوان کو دربار سے نکال دیا جائے اس کے شاہی تمغے، سندیں اور شاہی فرامین اور مراعات وغیرہ چھین لی جائیں اور پوری مُراعات واپس لے لی جائیں۔ چناں چہ ایسا ہی کیا گیا اور پہلوان ایک عام آدمی کی طرح بلکہ ایک قصوروار مُلزم کی طرح سر نیچے کیئے چل دیتا ہے۔

پھر سارے مجمع کے سامنے بوڑھے فقیر کو میزان (ترازو) میں کھڑا کر کے سونے سے تولا گیا اور اس زرِ خالص (سونے) کو تو یقیناً وہ اٹھا نہیں سکتا ہے اس لیئے ایک خادم بھی اس کے ساتھ کر دیا گیا کہ وہ اس کے گاؤں اور گھر تک جا پہنچا آئے۔ اور کچھ جاسوس بھی مقرّر کر دئے کہ اس کے گھر تک یہ راندۂ درگاہ پہلوان کی رسائی اگر ہو جائے تو فوراً اسے پکڑ کر حاضرِ دربار کیا جائے۔ مگر معاملہ تو یہاں اُلٹا تھا سیم و زر کی خاطر تو پہلوان نے خود کو ذلیل و رسوا نہیں کیا تھا۔ وہ تو ایک دوسری دولت کی خاطر ایسا کیا تھا۔ اسے اس دولت کی نہ حاجت تھی نہ ضرورت۔ اس لیئے اس نے دنیا کی جاہ و حشمت اور دولت کو جان بوجھ کر ٹھکرا دیا اور آقائے نامدار سرکارِ دوجہاں صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے خاندان کی محبت اپنے سینہ میں بسا لی اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا: ؎

ایک تم سے کیا محبّت ہو گئی
ساری دُنیا سے ہی نفرت ہو گئی
ہر تمنّا دل سے رُخصت ہو گئی
اب تو آجا! اب تو خلوت ہو گئی

بے چارہ پہلوان بے نیل و مرام اور بے یار و مددگار گھر جا رہا ہے۔ راستہ میں راہ گیروں نے آ گھیرا اوران کا تانتا لگ گیا۔ ہر ایک یہی پوچھ رہا تھا کہ رستم جی رستم جی! اس بوڑھے کے آگے کیا واقعی آپ نے اپنی ہار مان لی؟ آخر اس نے وہ کون سا طاقت ور داؤ آپ پر چلایا تھا؟ جس کی آپ نے تاب نہ لائی۔ ہماری عقلیں بآسانی اسے تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ عجیب مُعمّہ ہے جواب تک بھی ہماری سمجھ میں نہ آسکا ہے۔

پہلوان: جو ہونا تھا ہوا۔ تقدیرِ الٰہی میں اور ہماری قسمت میں اگر یہی منظور تھا تو کون کیا کر سکتا ہے؟ یہ ہماری طاقت اور غیر معمولی اور ناقابلِ انکار حقیقت اور یہ دیو ہیکل جسامت اس معمولی بوڑھے کے سامنے ماند پڑ گئی تو کیسے؟ ایک چمکتے دمکتے سورج کو گہن لگ گیا تو کیوں؟ اس کا آخری جواب تو بس میرے پاس ایک ہی ہے۔ کہ یہ ہماری قسمت کا لکھا ہے۔ اسے کون مٹا سکتا ہے؟

چاک کے تقدیر کو ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

یہ ہماری پہ سنالٹی، دیو ہیکل جسامت و قدوقامت اور بے پناہ قوت و طاقت تقدیرِ الٰہی کے آگے ہیچ ہے اور اس سے در پردہ "وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ" والی طاقت و قدرت کی حقیقت کا سبق ملتا ہے۔ اور بس یہ کہتے ہوئے رستمِ وقت پہلوان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور پبلک نے یقین نہ کرتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں سے سیل رواں آنسو کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ بے چارہ سچ ہی کہہ رہا ہے۔ عمداً اس نے ایسا نہیں کیا ہے۔ ورنہ یہ ندامت کے آنسو آخر کیوں بہتے؟ غرض پہلوان گھر چلا گیا۔ دن بڑی مشکلوں

سے کٹا۔ اِدھر نفسِ امّارہ ملامت کر رہا تھا کہ یہ تو نے کیا کِیا؟ اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر لیا یہ کون سی عقل مندی تھی؟ کتنی عزت تھی جو دفعتہً خاک میں مل گئی۔ بوڑھے کی باتوں میں آگیا؟ [م] کیا وہ بوڑھا کام آئے گا؟ وغیرہ وغیرہ

اُدھر نفسِ مطمئنہ تسلّی دے رہا ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں۔ کھرا سودا کیا ہے۔ تو نے آقائے دو جہاں سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اور اُن کی آل کی لاج رکھ لی ہے۔ یہی کیا کم ہے؟ دُنیا دے کر آخرت لی ہے۔ پیتل دے کر سونا خریدا ہے۔ کل قیامت کے دن اس کا بدلہ اور مقام اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا اور خوش ہو جانا۔

اسی کشمکش میں رات آئی اور پہلوان بستر پر دراز ہو گیا۔ نیند لگی تو سپنے میں سرکارِ دو عالم نورِ مجسّم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف لائے اور فرمایا کہ:

جُنید! تو نے میری اولاد کی لاج رکھ لی اور اس بوڑھے کی خاطر خود کو ذلیل و رسوا کیا۔ جا! آج سے ہم قیامت تک کے لئے تیرا نام روشن کر دیا، بلند کر دیا، اور رہتی دنیا تک لوگ تیرا نام عزت سے لیں گے اور سب کی زبانوں پر حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہی احترام سے آیا کرے گا۔

پہلوان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خواب سے بیدار ہوا اور فوراً بارگاہِ ایزدی میں دوگانہ ادا کیا اور سجدہ ریز ہو گیا اور شکر بجا لایا۔ ے

سر بلندی کس قدر ہے رشک کرنا چاہیئے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

یہ حقیقت ہے کہ اس واقعہ کو پیش آئے آج صدیاں بیت چکیں مگر یقین مانئے کہ آج بھی ہر پیر و جوان اور بچہ بچہ کی زبان پر حضرت جُنید بغدادیؒ کا نام نامی و اسمِ گرامی پُورے ادب و احترام کے ساتھ آرہا ہے اور قیامت تک بھی یہ نام اسی طرح بلند و بالا ارفع و اعلیٰ رہے گا۔ جو اُن سادات کے ساتھ ادب و احترام کے نتیجہ میں ہے۔

کہاں پہلوان کہاں ولیوں کے سردار اور سرگروہ اولیاء اللہ! سچ ہے انھوں نے دُنیا کو لات مار دی اور آخرت سنوار لی۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْہٗ۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر یہ چند حقائق آپ کے سامنے رکھ دی ہیں ورنہ کچھ اور چاہیئے وُسعت مرے بیاں کے لئے۔“

ابھی آپ نے یہاں ساداتِ کرام کی عظمت و احترام کے تعلق سے بڑی حد تک بزرگوں کے واقعات و کارنامے سنے جو یقیناً یارانِ نکتہ داں کے لئے مفید و بے نظیر اور عاشقانِ رسول و آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے ایک اکسیر کیمیا تاثیر تھے اور ہیں۔

اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حسب نسب کے سلسلہ میں بعض حضرات کے اس اشکال اور شبہ کو رفع کر دوں۔ جن کے دل میں یہ خدشہ رہا کرتا ہے کہ عام طور پر حسب نسب کا رشتہ باپ سے ہوتا ہے، ماں

[م] اور دنیا غارت کرلی۔ افسوس ہزار افسوس تیری اس عمر اور عقل پر۔ کتنی بڑی بیوقوفی کی ہے، حماقت کی ہے۔ اب کون کام آئے گا؟

سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن خاندانوں میں شجرے (پڑی نامے) ہوا کرتے ہیں، وہ سب کے سب نرینہ اولادوں سے ہی منسوب ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ماں کی طرف کسی نے بھی آج تک نسبت نہیں کی ہے۔

خود اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو اُن کی پُشت میں رکھا ہے۔ حضرت حوّا علیہا السلام کے پیٹ میں نہیں رکھا۔ ان کے بعد ہر مرد کی پشت میں اس کی اولاد و ذُرّیت رکھی۔ عورتوں کے پیٹ میں نہیں رکھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ کلامِ پاک میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ : ماؤں کا رزق یعنے روٹی کپڑا یہ باپ پر واجب ہے جس کے لئے وہ بچّہ پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت امام فخرالدین رازیؒ نے یہاں "اَلْمَوْلُود" کی تفسیر باپ سے کی ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

وقال صاحب الکشّاف انّ السبب فیہ ان یعلم ان الوالدات انما ولدن الاولاد للاباء ولذالك ينسبون اليهم لا الى الامهات"

یعنے صاحب کشاف نے فرمایا ہے کہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ معلوم ہی ہے کہ عورتیں اولاد کو ان کے باپوں کے لئے ہی جنتی ہیں۔ اسی وجہ سے اولاد ان کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

اور ایک جگہ قرآن علی الاعلان فرماتا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے۔

چناں چہ مشاہدہ بھی اس پہ دال ہے اور بظاہر اولاد کی پیدائش و افزائش میں بہ نسبت باپ کے ماں کو زیادہ دخل ہے لیکن بشری فطرت، الٰہی شریعت اور قانونِ قدرت اس کے خلاف ہی فیصلہ دیتی ہے کہ اولاد کی خصوصیت باپ کے ساتھ زیادہ ہے۔ جب کہ باپ سے چند قطرے منی کے جُدا ہوتے ہیں اور بس۔ باقی جو کچھ بھی شکمِ مادر سے نکلتا ہے وہ سب ماں سے ہی نکلتا ہے اور جمتا ہے۔ ایّامِ حمل، اور ایامِ رضاعت کے علاوہ بھی ایک طویل مدّت تک بچّوں کی پرورش و تربیت اور دیکھ بھال یہ ماں کی گود ہی کرتی ہے مگر اس کے باوجود اولاد ماں کی نہیں ہوتی باپ کی ہوتی ہے۔

قانونِ وراثت میں چاہے اولاد ماں کے پاس ہی پرورش پائے اور باپ نے اپنی بیوی کو طلاق بھی دیدی ہو، تب بھی اس کی اولاد کا نان نفقہ باپ ہی پر عائد ہوتا ہے اور یہ اولاد باپ کی میراث میں برابر کی شریک و سہیم ہوتی ہے۔ اور اپنے دیگر بھائی بہنوں کی طرح بھائیوں کے مُساوی حصّہ کی مُستحق ہوتی ہے اگرچہ کہ اس کو کسی نے مُتبنّیٰ (لے پالک) بھی بنالیا ہو۔ تب بھی یہ اپنے حقیقی باپ کی وراثت میں حق دار بنتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اس کا باپ ہے۔ اور یہ اس کی اولاد ہے۔ گو کہ وہ اب دوسروں کی پرورش اور زیرِ تربیت ہے۔ تاہم قانونِ وراثت کہتا ہے کہ اس کو اپنے حقیقی باپ کی میراث سے جتنا حصہ اس کے دوسرے بھائی کو ملے گا

ٹھیک وہی حصہ اس کو بھی حصہ میں آئے گا۔

غرض ان تصریحات اور ناقابلِ انکار حقائق کے بل بوتے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اولاد ماں کی طرف منسوب نہیں ہوتی، بلکہ باپ کی طرف ہوتی ہے اور باپ ہی سے اس کا سلسلۂ حسب نسب چلتا ہے ماں سے نہیں۔ تو یہاں ان حقائق و نظریات کے ہوتے ہوئے ایک بڑا اشکال یہ واقع ہوتا ہے کہ جگر گوشۂ رسول یعنی آل بتول کو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تشبیہ دینا اور قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہ کس حیثیت سے کہا جا رہا ہے؟؟ اور کس لحاظ اور قانون سے حضراتِ ساداتِ کرام آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار پائے؟؟ — جب کہ یہ ساداتِ کرام حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالے عنہا کے توسط سے اصولاً آلِ علی ہیں پھر آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح کہلوائے؟ اور یہ کس حد تک ٹھیک ہے؟

تو اس شبہ کے اصل جواب سے پہلے چند باتیں تمہید و مقدمہ کے طور پر گوش گزار کرتا ہوں جو جواب کے سمجھنے میں مفید و آسان ہوں۔

بے شک ابتدائے آفرینش سے عادت اللہ یہی جاری ہے کہ وہ اپنی کائنات کے ہر ہر ذرّہ اور قطرہ میں بھی نر و مادہ کا وجود یا جود منصۂ شہود پر جلوہ افروز فرمایا ہے کہ تخلیق کائنات میں ان کے باہم اختلاط کے بغیر ایجادات ناممکن الوقوع ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانات وغیرہ ہر ہر شئے میں تذکیر و تانیث کا مادہ باقاعدہ موجود ہے۔ گو انسان کی عقل و سمجھ اس کے ادراک سے قاصر و غافل ضرور ہے، تاہم بعض ایسے حسّاس و ذہین، زکی و فہیم بھی اللہ کی مخلوق میں موجود ہیں جن کی دُور بینی باریک بینی بے انتہا حسّاسی اور حقائق تک کی رسائی نے ضرور محسوس کر لیا اور افشاء راز اور اس کے ادراک میں کوئی کسر نہیں رکھی۔

غرض یہ مسلّمات سے ہے اور کھلی حقیقت ہے کہ ہر شئے کے وجود و وقوع اور اس کی تخلیق کے لئے ان کے آپس میں تخلیط و جفتی کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اس طرح ہر جنس کے نر و مادہ کے اختلاط کے بغیر عادت اللہ ایسی ہے کہ ان کا آپ خود سے وجود و ظہور ناممکن الوقوع ہے۔ لیکن بہت کم نادرۂ روزگار شاذو نادر اس کے یکسر خلاف خرقِ عادت کے طور پر اللہ کے حکم سے یا اس کے اشارہ سے، بغیر ان ظاہری اسباب و وسائط کے اور بغیر کسی وسائل و ذرائع کے کسی کا وجود و ظہور ممکن الوقوع بھی ہوا ہے۔ جو محض اپنے کسی محبوب نبی علیہ السلام کے توسط سے معجزہ کے طور پر اور اپنے کسی ولی کے ذریعہ کرامات کے طور پر ظاہر ہوا ہے۔

چناں چہ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ایک اشارہ پر بحکمِ خدا پتھر کے ایک بڑے چٹان سے ایک گابھن اونٹنی کا اچانک برآمد ہونا اور فوراً بچّہ دینا جب کہ وہاں کوئی اونٹ اور اونٹنی کا وجود دُور دُور تک موجود نہ تھا اور بغیر کسی نر و مادہ کے اختلاط کے چٹان سے محض خرقِ عادت اور خلافِ واقع اس طرح معجزہ بن کر نمودار ہونا اور پیش آنا جو یقیناً ایک ناممکن الوقوع کا ظاہر

ہوتا ہے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ و السلام کی تخلیق بھی بغیر باپ کے ہوئی۔ جو یقیناً ان کی یہ معجزنما تولید ہے۔ اس پر لوگوں نے اُن کی والدہ صالحہ بی بی مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام پہ تہمت لگائی اور الزام دھرا تو انھوں نے اس الزام کے جواب میں اپنے اس بچّہ کی طرف جو گہوارہ میں سو رہا تھا اشارہ کیا کہ جاؤ اس سے پوچھ لو اور تمہارے شکوک و شبہات حل کر لو۔ اس پہ لوگوں نے تعجب سے کہا: قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا؟ ابھی وہ تو ابھی جنا ہوا شیر خوار بچّہ ہے جو گہوارہ میں پڑا ہے۔ وہ کیسے بات کرے گا؟ یہ ایسا معاملہ ہے جو طبعاً فطرتاً بھی عقلاً وُجداناً بھی ناقابلِ قبول ہے۔

پھر بھی مجبوراً اور امتحاناً ماحول اور عقل کے نہ ماننے ہوئے بھی لوگوں نے اس شیر خوار بچّہ سے مخاطب ہو کر پوچھا سچ سچ بتا کہ تیرا وجود کس طرح ہوا ہے؟ اس نے بلند آواز میں گواہی دی اور صاف الفاظ میں کہا کہ "قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ" میں اللہ کا بندہ اور نبی ہوں وغیرہ۔

ٹھیک اسی طرح سے آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ کا معاملہ ہے بے شک سادات کرام بظاہر عملاً، فعلاً طبعاً، فطرۃً اور تخلیقاً آلِ علی ہیں مگر حکماً آلِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں وہ اس طرح ہے۔

سرکارِ دوعالم رحمۃٌ للعالمین خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اللہ نے نرینہ اولاد تو عطا فرمائی مگر انھیں بچپن ہی میں لے لیا اور مصلحت خداوندی اس میں یہ تھی کہ اگر نرینہ اولاد بڑی ہوتی تو لامحالہ یہ بھی نبی بنتی اور ظاہر ہے کہ نبی کی اولاد نبی ہی بنے گی؛ اور منشاء قدرت اس کے یکسر خلاف تھا۔ خاتم النبیین کے بعد پھر کوئی نبی آئے یہ ناممکن اور تقاضا اور منشاء قدرت کے یکسر خلاف ہے۔ اس لئے مصلحتاً اللہ نے آپ کی نرینہ اولاد کو اسی منشاء کے تحت بچپن ہی میں بلا لیا اور اپنے حبیب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یہ تسلی دے دی کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ کی ایک دخترِ بلند اختر بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جس طرح جنت کی تمام عورتوں پر سرداری اور سرفرازی اور فوقیت عطا کی ہے اسی طرح سے وہ دنیا میں بھی تمام عورتوں کے فعلی طبعی فطری اور بشری تقاضوں کے یکدم خلاف ممتاز، اپنا ایک منفرد و یکتا، بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ اور شانِ تفوق رکھتی ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بھی آخر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سلسلۂ حسب ونسب سے ہی تعلق رکھتے ہیں، آپ کے حقیقی چچازاد بھائی اور ہاشمی خاندان کے چشم وچراغ ہی ہیں۔

اس حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو خاندانِ بنی ہاشم، سادات کرام، آلِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو تین قسم کا تعلق ہے اور تین قسم کا رشتہ اور فضیلت حاصل ہے۔

۱۔ ایک حضرت علی کا حضورؐ سے برادری کی بناء پر جو ہاشمی اور مطلبی ہی ہے۔

۲۔ دوسری فضیلت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی نور نظر اور لخت جگر ہونے کے ناطے۔

۳۔ پھر تیسری فوقیت وفضیلت جو ہر اعتبار سے اچھنبے میں ڈالنے والی اور تحیر و استعجاب میں لانے والی ہے وہ حضرتِ فاطمۃ الزہرا سیّدۃ النساء اہل الجنۃ کی طبعاً فطرۃً نسوانگی اور حکماً مردانگی کا ثبوت و ظہور ہے ...... وہ کیسے ؟

آگے احادیث سے اسکا پتہ چلے گا اوران کی اس مردانگی کی حقیقت کھلے گی۔ جو یقیناً آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا۔ ایک ان ہونی، انوکھی، امتیازی اور نرالی شان رکھنے والی، تمام جنتی عورتوں کی سردار و سرتاج بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ذات وشخصیت ہے جو آپکے اندر ایک طرف طبعی فطری، بشری نسوانیت بھی ہے تو دوسری طرف طبعی فطری اور بشری پوری مردانیت بھی ہے۔ جو یقیناً سارے عالم کو حیرت واستعجاب میں ڈالنے والی ہے۔ جہاں آپ ہر طرح سے عورت ہیں وہیں آپ پوری طرح سے مردانی صفات کی حامل اور اس سے متّصف بھی ہیں۔

یہ وہ پاک طینت، پاک سیرت، طاہر و مطہر عورت ہیں جو پوری دنیا کی واحد، منفرد نرالی اور انوکھی شان رکھنے والی اور پوری دنیا کی عورتوں سے الگ تھلگ ایک خاص مقام و مرتبہ اور امتیازی شان رکھنے والی بلکہ تخلیقاً اور فطرۃً ان سے یقیناً جدا الگ اور تنہا صفات کی مالکہ اور پوری دنیا کی ابتدا سے انتہا تک کی چیلنج کرنے والی نرالی شان وکیفیت رکھنے والی پاک باز بی بی ہیں۔ رضی اللہ عنہا و رضیت عنہ۔

جس طرح شریعتِ عیسوی میں حضرت بی بی مریم علیہا الصّلوۃ والسّلام ایک انفرادی شخصیت و ذات کی مالکہ ہیں اور دنیائے تاریخ میں ایسی کوئی عورت نہ تو پیدا ہوئی اور نہ ہوں گی۔ ٹھیک اسی طرح شریعت میں حضرت فاطمہؓ کی ذات بھی جو مقام کے اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت کی مالکہ ہیں۔ وہ تخلیقاً عورت ہونے کے باوجود اس میں ایسی امتیازی شان وحیثیت والی عورت اس کے آگے نہ کبھی پیدا ہوئی اور نہ آئندہ ہوں گی۔

چناں چہ حدیث میں محدّث خطیبؒ نے حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ:

قال رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ابنتی فاطمۃ حوراءُ آدمیّۃٌ لم تحِض ولم تطمِث وانّما سمّاھا فاطمۃ لانّ اللہ فطمھا ومحبّیھا من النّار (رواہ الخطیب عن ابن عباسؓ)

ترجمہ: فرمایا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے میری بیٹی فاطمہؓ آدمیوں کی حور ہے۔ (یعنے حور کی طرح خوب رُو اور خوب صورت ہے، گوری گمٹی اور

جس کی آنکھوں میں کمال درجے کی گہری سفیدی وسیاہی ہے۔) نہ تو اسے حیض آیا اور نہ نفاس (ان دونوں سے وہ پاک ہے۔) اور فاطمہ اس کا نام محض اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اللہ نے انھیں اور اُن سے عقیدت وارادت اور محبت رکھنے والوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔

دیکھئے فاطمہ کے معنی خود باز رکھنے والی عورت کے ہیں۔ مگر یہاں یہ اسمِ فاعل کی جگہ اسمِ مفعول کے معنے میں ہے۔ تو اس لحاظ سے فاطمہ دراصل مفطومہ ہے یعنے باز رکھی گئی مُراد ہے۔ گویا حق تعالےٰ نے آپ کو حیض ونفاس کی نجاستوں سے محفوظ رکھا ہے۔ اور جو شخص ایسی پاک طینت، پاک خصلت، پاک صورت اور پاک سیرت سے عقیدت ومحبت کرے گا وہ یقیناً نارِ جہنم سے محفوظ رہے گا۔

اس حدیث سے ملتا جلتا بیان حضرت اسماء بنتِ عُمیس رضؓ کی روایت سے بھی ہوتا ہے، سنئے:

عن اسماءَ بنتِ عُمیسؓ انّی لمْ أَرَ دَمَ حیضِ فاطمةؓ ولا دَمَ نفاسِها فقلتُ ذٰلك لرسولِ اللهِ صلّے الله علیه وآله وسلّم فقال رسول الله صلّے الله علیه وآله وسلّم اِنّ ابنتی طاهرةٌ مطهرةٌ اوکما جاء فی الروایة۔ (رواه الامام علی بن موسیٰ الرضاءؒ کذا قال بعض علماء الحدیث فی "تشریف البشر")

ترجمہ: اسماء بنت عُمیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے (حضرت) فاطمہ کا خونِ حیض ونفاس نہیں دیکھا (سو تعجب سے) سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ میری بیٹی طاہرہ (پاک) بھی ہے مُطہّرہ (پاک کی گئی) بھی ہے (یعنے حیض ونفاس کی نجاستوں سے وہ پاک وصاف، مُبرّہ اور مُنزّہ ہے۔)

عن عمرؓ قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلّم کُلُّ بَنی اُنثیٰ فانّ عصبتهم لأبیهم ماخلا وُلدَ فاطمةَ فانّی انا عصبتهم وانا ابوهم (اخرجه الطبرانی وحسنه امام السیوطیؒ)۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہر عورت کے بیٹے کا عصبہ اس کا باپ ہوتا ہے سوائے فاطمہ کی اولاد کے میں اس کا عصبہ ہوں (نانا نہیں ہوں) اور ان کا باپ ہوں۔ (روایت کیا ہے اس کو طبرانی نے)

مطلب یہ کہ ہر عورت کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے مگر حضرت فاطمہؓ کی اولاد اس سے جُدا ہے اور مُنفرد شان رکھتی ہے۔ وہ تو میری طرف منسوب ہے اور میں ان کا عصبہ ہوں نانا نہیں ہوں بلکہ باپ ہوں۔ یہ کون کہہ رہے ہیں؟ — آقائے نامدار تاج دارِ مدینہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشادِ مبارک ہے۔

چناں چہ فرماتے ہیں کہ عام قاعدہ اور کُلیہ تو یہی ہے کہ ہر عورت کی اولاد اس کے باپ دادا کے نرینہ رشتوں سے مُنسلک ومنسوب ہوتی ہے مگر فاطمہؓ کی اولاد ان سب رشتوں، واسطوں سے الگ اور قاعدۂ کُلیّہ سے ہٹ کر میری طرف منسوب ہے۔ وہ یقیناً میری

اولاد ہے اور میں ان کا باپ ہوں۔

پس ساداتِ اہلِ بیتِ کرام (بنو ہاشم) درحقیقت آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اسی قوی نسبت کی وجہ سے کہلانے لگے۔ گو کہ ان کے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی ہیں لیکن زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خلافِ قاعدہ اور خلافِ ضابطہ اور موافقِ رابطہ انھیں اپنی طرف نسبت کر کے جو شرف و فضیلت اور خصوصیت مرحمت فرمائی ہے یہ نہ صرف رہتی دنیا تک کے لئے بلکہ دائمی، ابدالآباد، دنیائے آخرت کے لیے بھی (مبداء و معاد میں بھی) جہاں ایک نعمتِ غیرِ مترقبہ ہے وہیں ایک مژدۂ جانفزا بھی ہے۔

اس طرح حضرت فاطمۂ زہرا بتول کی اولاد باپ کی طرف کے بجائے ماں کی طرف منسوب ہو گئی۔ جو محض حضور سرکار دو عالم صلے اللہ وآلہ وسلّم کے حکم و ارشاد و قول و قرار کے مطابق و موافق ہے۔ اس طرح بی بی مریم علیہا السّلام کی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی ایک امتیازی شان اور انفرادی مقام رکھتی ہیں — صاحبِ کتاب "اللطائف الاحمدیہ" رقمطراز ہیں:

"واضح ہو کہ سیادتِ اولادِ فاطمہؓ اور ان کی نسبت حضرت فاطمہؓ کی طرف اس وجہ سے ہے کہ حدیث میں اس امر کی تصریح ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔ کہ:

انّ اولاد الامّ ینتمون الی عصبتھم الاّ الحسن والحسین فانھما أبنائی وابنا ابنتی"۔ یعنی اولاد ماں کی منسوب ہوتی ہے اپنے باپ کے نررشتہ داروں کی طرف مگر امام حسنؓ اور امام حسینؓ (کہ وہ میری طرف باوجود نانا ہونے کے اور ماں کی نر قرابت جو باپ کی طرف سے ہے اس کی طرف منسوب ہے۔) اس لئے کہ وہ میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں، یعنے حقیقتاً نواسے اور حکماً بیٹے ہیں اور آپؐ کا برتاؤ ان صاحب زادوں سے بیٹوں کا سا تھا۔"

(اللطائف الاحمدیہ)

غرض اس سلسلہ میں خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو نرینہ اولاد نہیں ہے اس لئے دُختری اولاد اس کے قائم مقام قرار پائی۔ نیز ان دونوں صاحب زادوں (حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بدرجۂ اتم حضورؐ کے تمام ظاہری، باطنی کمالات و خصوصیات ودیعت کر گئی تھیں۔ خوش اخلاقی، خُوش مزاجی، دریا دلی، خودداری، بلند اخلاقی بلند ہمتی، فراخی، کرم گستری، عالی ظرفی، خداترسی، خدا شناسی، حق گوئی، بے باکی، نکتہ رسی، بزلہ سنجی، زندہ دلی، خندہ روئی، اولوالعزمی اور ملنساری وغیرہ وغیرہ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزیّن تھے۔

عن فاطمة الزهراء رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلے الله علیه وسلّم کلّ بنی أمّ ینتمون الی عصبتهم الا ولد فاطمة فأنا ولیّهم وأنا عصبتهم: (اخرجه الطبرانی بسندِ حسن)

ترجمہ: حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر ماں کی اولاد منسوب ہوتی ہے اپنے باپ کے نزرشتہ داروں کی طرف یعنے باپ، دادا، پردادا وغیرہ کی طرف، مگر فاطمہ کی اولاد اس سے مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ میں ان کا ولی ہوں اور عصبہ ہوں۔ (طبرانی)

مطلب یہ کہ میں عصبہ ہوں تو پھر ظاہر ہے وہ میری ہی اولاد ہوئی اور میری ہی طرف منسوب بھی ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف میں صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث لائی ہے کہ

فاطمۃُ بَضعۃٌ منّی فمن أغضبھا أغضبنی: یعنے حضور سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے بس جس نے اسے غصّہ دلایا گویا اس نے مجھے غصّہ دلایا ہے۔

مطلب یہ کہ جس بات سے حضرت فاطمہ کو غصّہ آئے اس سے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی غصّہ آئے گا اور سیدہ فاطمہؓ کی ناراضگی درحقیقت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ناراضگی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں امام سبکیؒ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جو حضرت فاطمہؓ کو بُرا کہے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ بہ سبب اس کے کہ اُن کو بُرا کہنا گویا حضور کو برا کہنا اور حضور کو برا کہنے والا بالاتفاق کافر ہے۔

محدثِ کبیر علامہ جلال الدین سُیوطیؒ نے اسی سے ملی جُلی حدیث امام احمدؒ اور مستدرک حاکمؒ سے بہ سندِ حسن روایت کی ہے۔

فاطمۃُ بَضعۃٌ منّی یَقبِضُنی مَا یَقبِضُھا و یَبسُطُنِی مَا یَبسُطُھا وانَّ الانسابَ تَنقَطِعُ یومَ القیٰمۃِ غیرَ نَسَبِی وَسَبَبِی وصِھرِی (اوردہ السیوطیؒ عن الامام احمدؒ والحاکمؒ بسند حسن)

ترجمہ: فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جس بات سے وہ ناراض ہے میں بھی ناراض ہوں۔ اور جس بات سے وہ خوش ہے میں بھی خوش ہوں اور بلاشبہ قیامت کے دن سارے خاندانی مناقع و تعلقات منقطع ہوں گے مگر میری رشتہ داری اور سُسرالی تعلقات یہ منقطع نہ ہوں گے۔ یعنے میرا اولاد سے جو قوی رشتہ اور تعلق ہے یہ ایسا ہی باقی رہے گا جُڑا رہے گا۔ جُدا نہیں ہوگا۔

یہی علّامہ سیوطیؒ نے اپنی سندِ صحیح سے طبرانیؒ سے بھی ایک حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے۔ کُلُّ سببٍ ونسبٍ مُنقطعٌ یومَ القیامۃ الّا سببی ونسبی۔ (رواہ الطبرانی عن ابن عباسؓ وعن المسورؓ) اس حدیث کا مضمون ومفہوم تو وہی ہے جو پہلی حدیث میں گذرا۔ البتہ اس میں "صِھر" یعنے سُسرالی قرابت کا تذکرہ نہیں ہے۔

محدّث کبیر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ابنِ عساکرؒ سے صحیح سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ

وآلہ وسلّم نے فرمایا اَتَانی مَلَکٌ فَسَلَّمَ عَلَیَّ نزل من السمآء لم ینزل قبلھا فبشّرنی انّ الحسن والحسین سیّدا شباب اھل الجنّۃ وانّ فاطمۃ سیّدۃ نسآء اھل الجنّۃ (اوردہ السیوطیؒ بروایۃ ابن عساکرؒ عن حذیفہؓ موقوفًا بسند صحیح)

ترجمہ: حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے پاس آسمان سے ایک ایسا فرشتہ اترا جو اس سے پہلے کبھی نہیں اترا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور خوش خبری دی کہ بلا شبہ حضرات حسنؓ و حسینؓ جنّت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور بے شک فاطمہؓ جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

یہی امام سیوطیؒ نے ابن عساکرؒ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ

کان کثیرًا ما یُقبّلُ عُرفَ فاطمۃَ (اوردہ السیوطیؒ عن عائشہؓ بسند ابن عساکرؒ)

یعنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت فاطمہؓ کے اگلے سر کے بالوں کو (فرطِ محبت سے) بکثرت چُوما کرتے تھے۔ دیکھیے اپنی بیٹی کے ساتھ سرکار کی محبت کس درجہ تھی؟ کہ وہ اگلے حصّہ سر کے بالوں کو کثرت سے چومتے تھے۔

امام مُسلمؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب آیت "نَدْعُ ابنآءَنا و ابنآءَکم (الآیۃ)" نازل ہوی تو اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور اور حضرت حسین رضوان اللہ علیہم کو بلایا پھر فرمایا کہ اے اللہ یہ لوگ میرے گھر والے ہیں۔ الفاظ حدیث ملاحظہ ہوں:

عن سعد بن ابی وقاصؓ قال لمّا نزلت ھٰذہ الآیۃ نَدْعُ ابنآءَنا وابنآءَکم دعا رسولُ اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم علیًّا وفاطمۃَ و حسنًا وحُسینًا فقال اللّٰھُمّ ھٰؤلآء اھلُ بیتی (رواہ مسلم)

عن عائشۃؓ قالت خرجَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم غداۃً وعلیہ مِرطٌ مُرحّلٌ من شَعرٍ اَسْوَدَ فجاءَ الحسنُ بنُ علیٍّؓ فأدخلہ ثمّ جاءَ الحسینُؓ فدخلَ معہ ثمّ جاءت فاطمۃؓ فأدخلھا ثمّ جاءَ علیٌّؓ فأدخلہ ثمّ قال اِنّما یُریدُ اللہُ لِیُذھِبَ عنکمُ الرِّجسَ اھلَ البیتِ ویُطھِّرکم تطھیرًا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم پھول دار سیاہ بالوں کا کمل اوڑھے ہوئے صبح کے وقت باہر تشریف لائے (کہ اتنے میں) حضرت حسن بن علیؓ آگئے تو انھیں آپ نے اپنی اس کمل میں چھپا لیا۔ پھر حضرت حسینؓ آئے تو انھیں بھی حضرت حسنؓ کے ہمراہ چھپا لیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ آئیں تو ان کو بھی اس میں داخل فرمالیا۔ پھر حضرت علیؓ آئے تو ان کو بھی داخل فرمالیا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنّما یُرِیدُ اللہُ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھّرکم تطھیرًا: یعنے اس کے سوا کچھ نہیں اے اہلِ بیت نبوت (خود اللہ تعالے چاہتا ہے) کہ تمہارے گناہوں کی نجاست تم سے دور کرے اور تمہیں خوب

پاک صاف کردے۔

اس آیت اور حدیث میں جہاں اور حکمتوں کی طرف اشارہ ہے وہیں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ طہارتِ اہلِ بیتِ سادات کرام کی عظمت و وقعت، رفعت و مرتبت لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں خوب جانشین ہوجائے اور راسخ ہوجائے۔

"تفسیرِ اتقان" میں ہے کہ أخرج الترمذیؒ وغیرُہ عن عمر بن أبی سلمۃ و ابن جریر وغیرہ عن أمّ سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فاطمۃ وعلیاً وحسناً وحسیناً لما نزلت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الآیۃ فجللھم بکساء وقال اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔

یعنی امام ترمذیؒ وغیرہ نے عمر بن ابی سلمہؓ اور امام ابن جریرؒ وغیرہ نے حضرت ام سلمہؓ سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہم کو بلایا جب کہ یہ آیت تطہیر (انما یرید اللہ) نازل ہوئی اور پھر اُڑھایا ان سب پر اپنی کمل اور فرمایا کہ اے اللہ یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں (گھر والے) اس لئے ہٹادے ان سے گناہوں کی پلیدی اور گندگی کو اور ان کو خوب پاک صاف کردے۔

نیز امام احمدؒ نے اپنی مُسند میں حضرت واثلہ ابن الاسقعؓ سے یہی حدیث روایت کی ہے۔ البتہ اس میں ھؤلاء اھل بیتی کے بعد "وخاصّتی" والے جملے کا اضافہ بھی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ میرے خاص گھر والے ہیں۔

عن زید بن ارقم انّ رسولَ اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال لِعلیؓ وفاطمۃؓ والحسنؓ والحسینؓ أنا حربٌ لِمن حاربھم وسِلمٌ لمن سالمھم۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ میری اس شخص سے لڑائی ہے جو ان سے لڑے اور اس شخص سے صلح ہے جو ان سے صلح رکھے۔

عن عائشۃؓ انھا قالت ما رأیتُ احداً کان أشبہَ سمتاً ودلاً وھدیاً (معانیھا متقاربۃ) برسولِ اللہؐ من فاطمۃ کرّم اللہ وجھھا کانت اِذا دخلتْ علیہ قام الیھا فأخذ بیدِھا فقبّلھا واجلسھا فی مجلسہ وکان اذا دخل علیھا قامت الیہ فاخذت بیدِہٖ فقبّلتہ و أجلستہ فی مجلسِھا۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سوائے حضرت فاطمہؓ کے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ عادت واخلاق میں زیادہ مشابہ ہو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ اللہ تعالےٰ ان کا چہرہ بزرگ کرے قیامت کے دن اور ان کو عزّت عطا کرے جب وہ سرورِ عالم کی خدمت میں حاضر

ہوتی تھیں تو حضور ان کی محبت کی وجہ سے کھڑے ہو
جاتے تھے، پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے تھے، پھر فرطِ
محبّت سے ان کو بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے
اور جب اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم حضرت فاطمہؓ
کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ بھی اسی قسم کا برتاؤ آپ کے
ساتھ فرماتی تھیں اور اسی طرح پیش آتی تھیں۔ (ابوداؤد)

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم یٰایّھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم
بہ لن تضلّوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی
(رواہ الترمذی وحسّنہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے: فرمایا
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اے لوگو! میں تم
میں وہ چیز چھوڑتا ہوں اگر تم اس کو پکڑو گے تو ہرگز نہیں
بھٹکو گے اور وہ ہے خدا کی کتاب (قرآن شریف)
اور میرے اہلِ بیت سادات کرام۔

یہاں غور کیا جائے اور گہری نظر ڈالیں تو معلوم
ہوگا کہ دین کا قیام و بنیاد ان ہی دو چیزوں پر منحصر ہے
قرآن شریف تو اصل بنیاد اور رہنما ہی اور اہلِ بیتِ سادات
کرام بھی اس وجہ سے اہم ہیں کہ انھیں بوجہ قرابتِ نبویؐ
اور حضوری و نزدیکی اور قرابت داری کی فضیلتِ طبعی
کے علاوہ بھی بہت سے مخفی، پوشیدہ رازہائے سربستہ
مسائل ایسے تھے جو انھیں آلِ رسولؐ اور ازواج رسول صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے امّت کو معلوم ہوئے۔ بالخصوص امّہات
المومنینؓ سے خاص خاص اور اہم مسائل جو گھریلو زندگی سے
وابستہ تھے حاصل ہوئے اس حیثیت سے بھی اہلِ بیت
ساداتِ کرام بمنزلہ مثلِ قرآن شریف رہنما ہیں۔

امامِ حاکمؒ نے اپنی کتاب مستدرکِ حاکم میں یہ
حدیث روایت کی ہے کہ

حُسَینٌ مِنّی وَ اَنَا مِن حُسَینٍ اَللّٰھُمَّ
اَحِبَّ مَن اَحَبَّ حُسَیناً حُسَینٌ سِبطٌ مِن الاسباطِ
(رواہ الحاکم وصحّحہ)

ترجمہ: فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلّم نے، حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں، اے
اللہ تو اس کا چاہنے والا پیارا بن جا، جو حسین کو چاہے اور
محبّت کرے، اور حسین جماعتوں میں سے ایک فرزندی
جماعت ہے۔ یعنے یہ میرا بیٹا ایک جماعت ہے بیٹوں
کی جماعت میں سے۔

غور فرمائیے یہ دعا اللہ کے رسول صلے اللہ
علیہ و آلہ وسلّم کی ہے جس کا قبول ہونا لازم و ضروری
ہے اور آپ نے اپنے نواسے کو شدّتِ محبّت سے بیٹا فرمایا
ہے۔ اس لئے وہ حکماً بیٹا ہی ہے۔ اور متعدد احادیث
سے یہی ثابت ہے۔ چناں چہ آپ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم
نے اپنے نواسوں کے ساتھ بیٹوں ہی جیسا تعلق و برتاؤ
فرمایا ہے۔

امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے بھی یہ حدیث
نقل کی ہے:

مَن اَحَبَّنِی وَاَحَبَّ ھٰذَینِ وَاَبَاھُمَا
وَاُمَّھُمَا کَانَ مَعِی فِی دَرَجَتِی یَومَ القِیٰمَۃِ۔

یعنے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا جو مجھ سے محبت کرے اور ان دونوں حضرت حسنینؓ سے بھی محبت کرے و نیز ان دونوں کے باپ حضرت علیؓ سے اور ان کی ماں حضرت فاطمہؓ سے محبت کرے، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا اور اُسے میرے درجہ میں قربت و نزدیکی حاصل ہوگی۔ گویا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قریب تر رہے گا۔

امام فخرالدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ اہل بیتِ سادات کرام پانچ باتوں میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے شریک و سہیم ہیں۔

(۱) ایک التحیات میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درود بھیجنے میں یہ بھی شریک ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری بات سلام میں بھی یہ آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم آپ کے شریک و سہیم ہیں۔

(۳) تیسری بات آیتِ تطہیر (طہارت) میں یعنے اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ، الآیۃ میں جس میں ازواجِ مطہراتؓ، حضرتِ فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ مراد ہیں۔

(۴) چوتھی بات، صدقہ حرام ہونے میں بھی یہ سادات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے شریک ہیں۔

(۵) اور پانچویں بات وجوب محبت میں بھی یہ آلِ رسول، حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے شریک و سہیم ہیں۔ کیوں کہ احادیث اور ان کی شرحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیتِ سادات کرام سے محبت واجب ہے اور ان سے بغض و عداوت حرام ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ اور علّامہ بغویؒ نے اس کی تصریح کی ہے اور حضرت امام شافعیؒ نے اس پر نصِّ صریح سے دلیل پیش کی ہے اور ساداتِ کرام سے محبت کو فرض قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ؎

یا اھلَ بیتِ رسولِ اللّٰهِ حُبُّكُم
فرضٌ من اللّٰهِ فی القرآنِ اَنزلہ
یکفیکم من عظیمِ الفخرِ اَنّکُم
مَن لَم یُصَلِّ علیکُم لاصلوٰۃَ لہ

اے اللہ کے رسول کے گھر والو! بے شک تمہاری محبت فرض ہے یہ قرآن شریف میں منجانب اللہ وارد ہے یہی ایک بات تمہارے لئے بس کرتی ہے اور یہ کتنے بڑے فخر کی بات ہے کہ اگر کوئی نماز میں تم پر درود و سلام نہ بھیجے تو سمجھو اس کی نماز کامل نہیں ہوئی ناقص رہ گئی۔

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کی ہے:

عن الحسنؓ بن علیؓ قال قال رسول اللّٰہ صلّے اللّٰہ علیہ وسلم لِکُلِّ شیئٍ اَساسٌ واَساسُ الاسلامِ حُبُّ اصحابِ رسولِ اللّٰہِ صلّے اللّٰہ علیہ وسلّم وحُبُّ اھلِ بیتہٖ۔ (اخرجہ البخاری فی تاریخہٖ)

یعنے حضرت حسنؓ بن علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد (فونڈیشن) حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صحابہؓ اور

آپ کے اہلِ بیت سادات کرام سے محبت و عقیدت ہی ہے یہ حقیقت ہے کہ دین ہم تک ان ہی حضرات صحابہ اور اہلِ بیتِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعہ پہنچا ہے۔ ان کے بغیر دین کیا چیز ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جان سکتے تھے۔ لہٰذا یہ حضرات ہی دراصل ہمارے محسنِ اعلیٰ ہیں۔ ان کی محبت و ارادت میں خلل اندازی یا رخنہ اندازی یہ درحقیقت ایک مضبوط و مستحکم بُنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کرنا متزلزل اور ضعیف کرنا ہے جو بڑی ناشکری اور نالائقی کی دلیل ہے۔

غرض ان حضراتِ ساداتِ کرام سے عقیدت و ارادت اور شفقت و محبت بھی بعینہٖ حضور سے محبت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ سے محبت ایمان کی بُنیاد ہے۔ پس جس قدر محبت میں اضافہ ہوگا اسی قدر ایمان میں تازگی، نیرگی، رفعت و بلندی ہوگی۔ اور جس قدر اس میں کمی اور ناسپاسی اور ناشکری ہوگی اسی قدر اس میں پست ہمتی، کم ظرفی اور کمزوری ہوگی۔

امام طبرانیؒ نے اپنی کتاب میں یہ حدیث پیش فرمائی ہے:

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اَوّلُ مَن اَشفَعُ لہٗ مِن اُمّتِی یومَ القیٰمۃِ اھلُ بیتی۔ (اخرجہ الطّبرانیؒ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امّت میں سے سب سے پہلے جن کی میں شفاعت کروں گا وہ میرے اہلِ بیت ہوں گے۔ (طبرانی)

امام دیلمیؒ نے اپنی کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے:

اُخرج الدَّیلمیؒ عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم اَثبتُکُم علَی الصِّراطِ اَشدُّکُم حُبًّا لِاَھلِ بَیتی واَصحابی۔ (دیلمی)

امام دیلمیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت کی ہے: فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو تم میں میرے خاندان (اہلِ بیت) اور میرے صحابہؓ سے بہت زیادہ محبت رکھے گا (جان لو) وہی پُل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم رہے گا۔ (وہاں اس کے قدم نہیں پھسلیں گے۔)

اُخرج الدَّیلمیؒ عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم یقول اوّلُ مَن یَرِدُ علی الحوضِ اھلُ بیتی۔ (دیلمی)

امام دیلمیؒ نے حضرت علیؓ سے یہ روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا سب سے پہلے حوضِ کوثر پر میرے پاس میرے اہلِ بیت آئیں گے۔

یہی امام دیلمیؒ نے ایک اور حدیث بھی حضرت علیؓ سے نقل کی ہے: فرماتے ہیں:

اُخرج الدَّیلمیؒ عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اَربعۃٌ اَنا لَھُم شَفِیعٌ یومَ القیٰمۃِ المُکرِمُ لِذُرِّیَّتی والقاضِی لھم

حَوَائِجَهُمْ والساعی لهم فی اُمورهم عند ما اضطروا الیه والمحب لهم بقلبه ولسانه۔

(دیلمی)

امام دیلمیؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کے دن چار شخصوں کی خاص طور پر میں سفارش کروں گا۔ (۱) پہلا وہ شخص جو میری اولاد کی تعظیم و تکریم کرتا ہے۔ (۲) دوسرا وہ جو اُن کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ (۳) تیسرا وہ جو اُن کے کاموں میں کوشش کرتا اور ہاتھ بٹاتا ہے، جب کہ میری اولاد اس کی طرف متوجہ ہو۔ (۴) اور چوتھا وہ شخص جو اُن سے محبت رکھتا ہو اپنے دل و جان سے بھی اور زبان سے بھی۔

یہاں غور فرمائیے اس آخری چوتھی شرط میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان کے ساتھ دل و جان کے لفظ کا اضافہ خاص طور پر اسی لئے فرمایا ہے کہ دنیا مکرو فریب کی چال میں بہت آگے نکل گئی ہے، منافرت اور منافقت کے اس دور میں کوئی دل سے تو نہ مانتا ہو محض رسمی اور ظاہری طور پر زبان سے نری محبت کا اقرار کرتا ہو اور دم بھرتا ہو تو ایسی عقیدت اور ظاہری محبت کچھ کام نہیں دے گی۔ اور شافع محشرؐ ایسے شخص کی سفارش نہیں فرمائیں گے۔

غرض یہی وہ چاروں خوش نصیب اشخاص ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے اور ان کے خاندان سے نہ صرف محبت و عقیدت رکھتے ہیں بلکہ اُن کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ بھی کرتے ہیں۔ اور یہ ایسے خوش نصیب اور خوش قسمت حضرات ہیں جنھیں اس نعمتِ عظمٰی اور شفاعتِ خاصّہ سے شرف یابی نصیب ہوگی۔

لہٰذا عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبّانِ آلِ بتولؓ پر ضروری ہے کہ حضراتِ اہل بیتِ کرام کی دل و جان سے قدر کریں اور ان کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کریں۔

امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف میں یہ حدیث بیان کی ہے:

عن جُمَیْعِ بن عُمَیْرٍؓ قال دخلتُ مع عمّتی علٰی عائشۃ فسألتُ أیُّ النّاسِ کان أَحَبَّ الٰی رسولِ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قالت فاطمۃ فقیل من الرجال قالت زوجھا۔

(ترمذی)

حضرت جمیع بن عمیرؓ سے مروی ہے کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں میں کون زیادہ محبوب اور پسندیدہ تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کہ "فاطمہؓ" کہا گیا کہ مردوں میں کون زیادہ محبوب تھا؟ حضورؐ کو۔ فرمایا: اُن کے شوہر (حضرت علیؓ)۔ (ترمذی شریف)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

مَنْ صلّٰی صلوٰۃً لم یُصلِّ فیھا ...

اھل بیتی لم تقبل منہ۔

(اخرجہ البیہقی والدارقطنی عن ابی مسعود الانصاریؓ)

یعنے حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے

فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو شخص کوئی درود فقط مجھ پر بھیجے اور اس میں میرے اہلِ بیت کو شامل نہ کرے تو ایسا درود اس شخص کا اللہ کے دربار میں قبول نہ ہوگا۔

محدثِ جلیل حضرت ابنِ سعدؒ "شرف المصطفٰی" میں یہ حدیث لا رہے ہیں کہ:

لاتصلّوا علیّ الصّلوٰۃ البتراء قالوا وما الصلوٰۃ البتراء؟ قال تقولوا اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ وتمسکوا بل قولوا اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّدٍ وعلٰی اٰلِ محمّد۔ (اخرجہ ابن سعد فی شرف المصطفٰی)

ترجمہ: فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھ پر دُم کٹا اور بے برکت درود نہ بھیجو صحابہؓ نے عرض کیا دُم بریدہ اور بے برکت درود سے کیا مُراد ہے؟ فرمایا کہ تم کہو اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّدٍ (اے اللہ درود بھیج محمد پر) اور رُک جاؤ (یعنے فقط میرے نام پہ درود بھیج کر اہلِ بیت کو اس میں شامل نہ کرنا' ایسا درود دُم بریدہ' بے برکت اور ناقص ہے۔ لہٰذا ایسا نہ کہو۔) بلکہ یوں کہو اللّٰھمّ صلّ علٰی محمّدٍ وعلٰی اٰل محمّدٍ (اے اللہ درود بھیج محمد پر اور آلِ محمد پر بھی۔)

یہ حقیقت ہے کہ اہلِ بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آلِ نبیؐ، ازواجِ مطہراتؓ اور اولادِ علی رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سب داخل ہیں۔ اس لئے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ درود میں ان سب کو شامل کرنا اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ضروری قرار دیا ہے اور آپؐ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ساتھ آپ کے خاندانِ اہلِ بیت کی شراکت و وسالت بھی جہاں آپ کو محبوب ہے وہیں یہ منشاء رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہے۔

امام حاکمؒ نے اپنی کتاب "مُستدرک حاکم" میں یہ صحیح حدیث نقل فرمائی ہے۔

عن ابن عباسؓ قال اوحی اللّٰہ تعالٰی الی محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی قتلت بیحیٰی بن زکریا سبعین الفًا وانی قاتلٌ بابن بنتک سبعین الفًا وسبعین الفًا۔ (اخرجہ الحاکم وصححہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ نے سرکارِ مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر وحی بھیجی کہ بے شک میں نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے قتل کے بدلہ میں (جو ان کی قوم کے ظالموں نے انھیں کیا تھا) ستّر ہزار کو قتل کیا اور میں قتل کروں گا آپ کے نواسے (شہیدِ کربلا حسینؓ) کے بدلہ میں ستّر ہزار اور ستّر ہزار کو۔

یہ اللہ نے آپ کو بطور پیشین گوئی اور معجزہ کے قبل از وقت ہی بتا دیا۔ چناں چہ جب واقعۂ کربلا پیش آیا تو یہ اللہ کا وعدہ بھی اسی وقت پورا ہوا اور ان یزید نواز بلوائیوں اور ظالموں کا صفایا ٹھیک ایک لاکھ چالیس ہزار کی تعداد میں ہوا ہے۔ جو

مختار ثقفی سفاح عباسی کے ہاتھوں عمل میں آیا اور ظاہر ہوا ہے۔

قاتلینِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ سزا محض دُنیوی سزا ہے جو اُخروی سزا کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔ اب غور فرمائیں کہ ان پر آخرت کا عذاب کس درجہ شدید ہوگا؟ اور انھیں وہاں کیا کچھ بُھگتنا ہوگا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے کیا مُنہ لے کر جائیں گے؟ اور وہ وہاں کس درجہ شدید غضب ناک، الم ناک عذاب میں مبتلا ہوں گے' یہ کبھی ان ظالموں نے سوچا بھی نہ ہوگا۔

عالمِ بے بدل فاضلِ بے مثل حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی قدس سرّہٗ اپنی کتاب "سرّ الشہادتین" میں یہ راز اور نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

"کمالِ شہادت اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بذاتِ خود حاصل نہیں ہوا' اس لئے اللہ تعالےٰ نے ذاتِ حسنین رضی اللہ عنہما کو اللہ کے رسول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جگہ قرار دے کر دونوں طرح کی شہادتوں کا فیضان و کمال اپنے ان دونوں نواسوں صاحب زادوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو عنایت فرمایا۔ شہادتِ خفیہ کا کمال حضرت امام حسن رضی اللہ عنہٗ کے ذریعہ سے اور شہادتِ ظاہری کا کمال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے ذریعہ سے۔" (سرّ الشہادتین تلخیصاً)

ایک بار حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز تابعیؒ کے پاس اپنے کسی کام سے آئے۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کو جب بھی کوئی کام پیش آئے تو آدمی بھیج کر مجھے بلوالیں میں حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا یا مجھے خط یا چٹھی لکھ کر بھجوا دیں، مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ وہ آپ کو میرے دروازے پر دیکھے۔

دیکھئے آلِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ کس درجہ عظمت و عقیدت' روحانی محبت اور شفقت اور دلی لگاؤ ہے۔ ایک اتنا بڑا فرمانروا خلیفۃ المسلمین انھیں دیکھ کر پسیج جاتا ہے اور پوری ندامت و شرمندگی کے ساتھ عرض معروض ہوتا ہے۔ الفاظ ظاہر کرتے ہیں ان کے قلبی تاثرات کو۔

یہی خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز تابعیؒ کے پاس ایک دفعہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی بیٹی گئیں۔ (حضرت زید رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آزاد کردہ غلام تھے اور یہ بیٹی حضرت زید کی پوتی ہیں) ان کے آتے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز فوراً اُٹھے ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ادب سے آپ کے سامنے بیٹھ گئے اور ان کا ہر کام پورا کر دیا۔

دیکھئے محض اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کسی بھی درجہ میں نسبت و پاس داری کا یہ عالم ہے اور آپؐ کے غلام کی پوتی سے یہ قلبی تعلق اور لگاؤ اور رواداری ہے تو پھر آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی آل و اولاد سے کس درجہ کا برتاؤ ہوتا ہوگا؟ اور

کس درجہ کی عقیدت و محبت، ارادت و شفقت ہوگی؟ اس کو کیا کبھی سوچا بھی ہے ؟؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ حضرت حابس بن ربیعہؓ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مشابہ ہیں، تب سے جب کبھی بھی وہ ان کی خدمت میں آتے تو حضرت امیر معاویہؓ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوجاتے اور احترام کرتے ہوئے ان کی پیشانی کو چوما کرتے۔

یہ اکرام و احترام، یہ اعزاز و محبت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے خونی تعلق اور رشتہ داری کی وجہ سے نہیں، بلکہ محض آپ سے مشابہت کی بناء پر ہے اور جب خاص خاندان اہلِ بیت سے نسبت و شرافت کا تعلق ہو تو اندازہ کرو کہ اس پر کیا کچھ احترام اور نوازشات ہوں گے ؟

مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کے پیر و مرشد حضرت علی خواصؒ ساداتِ کرام کی عظمت و احترام کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"شریف اہلِ بیت کرام پر ہم اپنی جان نثار کردیں اور قربان ہوجائیں کیوں کہ اس آلِ رسولؐ کے جسم میں اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گوشت اور خون پیوست اور سرایت کیا ہوا ہے۔ اور وہ درحقیقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔"

بعض علماء، اہلِ علم و تقوٰی نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اہلِ بیت کی رضا و خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح دیں اور ان کی تعظیم و توقیر بجالائیں اور جب وہ زمین پر بیٹھے ہوں تو ہم اوپر نہ بیٹھیں۔

غرض یہ آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اولاد علی کرم اللہ وجہہٗ درحقیقت آل رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی ہیں اور ان کی شان میں احادیث و آثار اور دیگر کتب تاریخ و سیر سے متعدد شواہد اور گواہوں کو آپ نے ابھی سنا اور پڑھا۔ اس سلسلہ میں مزید احادیث کتبِ حدیث اور شمائل میں موجود ہیں۔ مضمون کے طوالت کے خوف سے میں اسی پر بس کرتا ہوں اور آخر میں ایک اور حدیث سنا کر مضمون ختم کرتا ہوں۔

سیدۃ النساء اہل الجنّۃ سیّدتنا و جدّتنا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جہاں دنیا میں تمام عورتوں کے مقابلہ میں ایک انفرادی شان کی حامل ہیں، وہیں آخرت میں بھی وہ اسی شانِ فوقیت، بلندی و رفعت کے اونچے منازل پر فائز ہوں گی۔ نیز دنیا و آخرت کے درمیان ایک اور منزلِ حشر بھی ہے تو یہاں بھی ان کی ایک نرالی اور انوکھی شان ہی ہوگی۔ وہ دُنیا جہاں کی تمام عورتوں میں مُمتاز و مُنفرد مقام کی حامل ہیں۔

چناں چہ امام حاکمؒ نے اپنی "مُستدرک" میں صحیح سند سے یہ حدیث روایت کی ہے:

اذا کان یومُ القیٰمۃ نادیٰ مُنادٍ مِن

وراء الحجاب یا اھل الجمع غضوا ابصارکم عن فاطمۃ بنت محمد حتی تمر۔

(رواہ الحاکم مرفوعاً وصححہ۔ اسد الغابہ: ص۵۲۳)

یعنے فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب قیامت کا دن ہوگا ایک آواز دینے والا پردہ کے پیچھے سے آواز دے گا اور پکارے گا اے مجمع کے لوگو! حضرت فاطمہؓ بنت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے تم اپنی آنکھیں بند کرلو۔ یہاں تک کہ وہ گزر جائیں۔ (مستدرک حاکم)

میدانِ حشر میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ اور خصوصیت دیکھئے جو اور کسی کو میسّر نہیں ہے وہاں بھی آپ کے واسطے پردہ کا انتظام و اہتمام ہوگا اور باقاعدہ پردہ کرایا جائے گا۔

دنیا میں جس طرح مردوں میں حضرت عثمان غنیؓ کامل الحیاء والایمان تھے، اسی طرح عورتوں میں حضرت فاطمہؓ میں انتہا درجہ کی شرم و حیا تھی۔ آپ کامل الایمان ہونے کے ساتھ ساتھ کامل الحیاء بھی تھیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ان کے ساتھ اس حیاء کا خاص خیال و لحاظ رکھیں گے۔

قانونِ قدرت و شریعت نے جس مصلحت سے دنیا میں پردہ مشروع اور واجب کیا ہے، اگرچہ اس حشر کے میدان میں اور ہمیشہ جنّت میں وہ مصلحت و مشروعیت نہیں رہے گی مگر اعلیٰ درجہ کی حیاء کا تقاضہ اور خاصّہ یہ ہے کہ پردہ وہاں بھی کیا جائے۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خصوصیت بھی وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہی حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔

اسلام میں سب سے پہلے عورت کے جنازہ پر گہوارہ یا کھاٹ بنانے کا رواج بھی ان ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے طفیل و بدولت ہے۔ اس سے پہلے بغیر کسی کھاٹ کے مرد و عورت کا جنازہ نکلتا تھا اور اس کی فکر بی بی فاطمہؓ کو برابر دامن گیر رہی کہ اس پر صرف کسی کپڑے یا دبیز چادر کے ڈالنے پر بھی عورت کے قد و خال، موٹاپن یا دبلاپن اور قد و قامت وغیرہ کا اندازہ ہو جاتا ہے جو بظاہر یہ بھی پوشیدہ اور مستور ہونا ہے۔ چناں چہ اس فکر کا حل حضرت اسماء زوجہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کسی درخت کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولی کی شکل دے دی۔ تب حضرت فاطمہؓ فرطِ مسرّت سے بول اٹھیں کہ میری وفات کے بعد تم ہی مجھے غسل و کفن دینا اور کسی کو آنے نہ دینا۔ اور جیسا تم نے دکھلایا ہے ایسا ہی میرے جنازہ پر پردے کا گہوارہ بنا دینا اور رات کی اندھیری میں دفنانا تاکہ کسی غیر کی نگاہ نہ پڑے۔ اللہ اکبر! کس درجہ شرم و حیا کا احساس ہے۔

عظمتِ سادات پر جس قدر ہو سکا مختصر انداز میں یہ چند حقائق یہاں آپ کے سامنے رکھ دئیے ہیں جو یارانِ نکتہ داں کے حق میں یقیناً عمل کے لئے بھی کافی و افی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ساداتِ کرام کی عظمت بٹھا دے اور اس پر عمل کی مزید توفیق نصیب کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمدٍ النبیّ الاُمّی وعلیٰ اٰلہ وسلّم تسلیما۔ ●●

گہوارۂ تصوّف، ہے آستانِ قربیؒ
ہیں عاشقانِ احمدؐ وابستگانِ قربیؒ

ہر لمحہ برکتوں کی بارش ہے اس کی چھت پر
آماجگاہِ رحمت، حضرتِ مکانِ قربیؒ

دینی تجلّیوں سے معمور ہے ہمیشہ
اَن مٹ سدا رہے گا یہ آشیانِ قربیؒ

دشمن فلک گرائے، چاہے ہزار بجلی
بے شک نہ مٹ سکے گا یہ گلستانِ قربیؒ

علم و ادب کی دُنیا ہر سو مہک اٹھی ہے
ہر ایک کی زباں پہ ہے داستانِ قربیؒ

حضرت مکاں کی چھت پر نورانی کیفیت ہے
اور اس کی سب فضائیں ہیں نغمہ خوانِ قربیؒ

بعدِ ولیؒ[1] و سلطاںؒ[2] یہ بھید تو کھلا ہے
دکنی کی شان و شوکت، اردو زبانِ قربیؒ

دار السرور جن سے جلوہ فشاں ہوا ہے!
ویلور کی زمیں ہے رطب اللسانِ قربیؒ

یہ فضلِ ربِّ عالم، فیضانِ شاہِ دیںؐ ہے
اربابِ علم و فن سب ہیں عاشقانِ قربیؒ

[1] میر ولی فیاض ولیؔ ویلوری [2] شاہ سلطان ثانی آرکاٹی

الحمد للہ والصلوۃ علی نبیہ وصحبہ اجمعین ط

یارسول اللہ انظر حالنا ؎ یاحبیب اللہ اسمع قالنا
اننی فی بحرھم مغرق ؎ خذ بیدی سھل لنا اشکالنا

زندگی کی گاڑی کے لیے دو پہیئے ہیں۔ ایک جسم دوسرا روح۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت اور مطابقت ہونا ضروری ہے تاکہ مقصودِ حیات کا صحیح صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔ جسم کی خرابی روح کے لیے باعث تکلیف ہوتی ہے بعینہ روح کی خرابی جسم کے لیے بھی۔ نبیٔ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا ارشادِ مبارک ہے کہ ان فی جسد الانسان مضغۃ فاذا اصلحت صلح کلہ واذا فسدت فسد کلہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر اس کی اصلاح ہوجائے تو پورے بدن کی اصلاح ہوجائے اور اگر اس میں فساد آجائے تو پورا بدن بگڑ جائے۔

اسلام اور سائنس کا ایک امتیازی فرق

سائنس داں طبقہ اپنی انرجی دوسروں پہ خرچ کرتی ہے اور اس سے خوب خوب فائدہ اٹھاتی ہے۔ ملک اور بیرون ملک اس کی کامیابی اور کامرانی پر دادِ تحسین دیتے ہیں اور خوب فائدہ بھی اٹھاتے ہیں مثلاً لاؤڈ اسپیکر، ریڈیو، ٹیلی ویژن اسی طرح کی اور دوسری نت نئی ایجادات جو ہمارے مشاہدے میں ہیں۔

مگر اس کے مقابل اسلام کا یہ کہنا کہ تم میں کس چیز کی کمی ہے؟ تم اپنے دل کو سنوارو اور ساری کائنات پر حکمرانی کرو۔ ریڈیو کا ایک تار ٹوٹ جائے تو ایک ڈبہ معلوم ہو۔ نت نئی ایجادات میں صرف ایک تار اِدھر سے اُدھر ہوجائے تو یہ چیزیں بیکار سی ہو جاتی ہیں۔ مگر دل سنور جائے تو کلکتہ میں بولو ممبئی والے سنیں گے۔ چناں چہ ہمارے یہاں معلّمین اور متعلّمین کی دو جماعتیں گزری ہیں ایک مشائیین دوسرے اشراقیین کی۔ مشائین وہ گروہ ہے جو چل پھر کر پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔ اور اشراقیین کی وہ جماعت ہے جو اشراق نوری سے پڑھاتا تھا۔ استاذ مدراس میں اور شاگرد حیدرآباد میں۔ استاد نے وہاں سے پڑھایا اور شاگرد نے یہاں پڑھ لیا کیسی اچھی

کہا ہے۔ کہ ہ

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(مذکورہ حدیث کے مدِّنظر جسم اور روح کی صحت اور توانائی کے لیے دل کو اللہ اور رسول کی رضا اور خوشنودی کی عطر و عنبر سے سنوارنا اور سجانا چاہیے تاکہ اسلام کا تعلیمی مرکز ہمارے اندر برقرار رہے۔) یہ ہے اسلام اور سائنس کا امتیازی اور بنیادی فرق کہ سائنس اپنی انرجی دوسروں پر خرچ کرتی ہے اور اسلام خود ہمارے دل و دماغ اور فکر و نظر کی اصلاح کرتا ہے۔ بدن اور روح کو طہارت و پاکیزگی بخشتا ہے بدن کو آدابِ زندگی سکھاتا ہے اور روح کو صیقل کرکے لذّتِ سجدہ اور ذوقِ عبادت سے آشنا کرتا ہے۔ من عرفہ نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کا مزاج پیدا کرتا ہے۔

دو قسم کی بیماریاں

ایک جسمانی اور ایک روحانی۔ جسمانی بیماریاں تو سب کے علم میں ہوتی ہیں اور روحانی بیماری کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ:

فی قلوبھم مرض فزادھم اللّٰہ مرضا: اُن کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے اُن کی بیماری اور بڑھائی۔ (کنز الایمان) تفسیرِ نعیمی میں ہے کہ بدعقیدگی کو قلبی مرض فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بدعقیدگی روحانی زندگی کے لیے تباہ کن ہے۔ ایک دوسری آیتِ کریمہ میں اس طرح سے ذکر کیا گیا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُکُم مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً: پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے تو وہ پتھروں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کرّے۔

(کنز الایمان) علامہ صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر نعیمی میں فرماتے ہیں کہ "اور ایسے بڑے نشان ہائے قدرت سے تم نے عبرت حاصل نہ کی باوجود یہ تمہارے دل اثر پذیر نہیں پتھروں میں بھی اللہ تعالیٰ ادراک و شعور دیا ہے اور انہیں خوف الٰہی ہوتا ہے۔ وہ تسبیح کرتے ہیں: اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے: سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ میں سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اطراف مکہ میں گیا جو درخت یا پہاڑ سامنے آتا تھا۔ السلام علیک یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم عرض کرتا تھا۔

اس روحانی اور قلبی بیماری کا علاج نہ کرایا جائے تو جس طرح بیمار آدمی لاعلاج ہوکر مر

جاتا ہے اسی طرح اگر روحانی اور قلبی بیماری کی طرف
بھی توجّہ نہ دی جائے تو اس کا نتیجہ بھی روحانی موت
ہے۔ جیسا کہ نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
مثل الذین یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی
والمیت : ذاکر اور غافل کی مثال زندہ اور مردہ
کی ہے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

آج کل جسم کے ہر عضو کے لیے مخصوص
ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ کوئی صرف کان کا اسپیشلسٹ
ہوتا ہے، کوئی صرف آنکھ ہی کا معالج ہوتا ہے کوئی
صرف پیٹ کے مرض کا ڈاکٹر ہوتا ہے اور کوئی صرف
حلق کا ہی علاج کرتا ہے۔ جس طرح جسمانی بیماریوں
کے معالجین کو ڈاکٹر یا طبیب کہتے ہیں، اسی طرح روحانی
معالجین کا نام اولیاء کرام ہے۔ اور جس طرح ہم
ڈاکٹروں کے محتاج ہیں اسی طرح اولیاے کرام کی
بھی ہمیں احتیاج ہے۔

لیکن :۔ آج کل روحانیت سے لوگوں
نے بڑی بے پروائی اختیار کر رکھی ہے۔ جسم کی صحت
کے لیے تو ہم دن رات کوشاں رہتے ہیں اور جسم کے
لیے نت نئے کھانے اور اس کی زیبائش اور آرائش کے
لیے نئے فیشنوں کو اپناتے رہتے ہیں مگر روح کی نہ غذا
کی فکر ہے اور نہ اس کی دوا کی۔ جسم سلامت رہے
اور قلب و روح چاہے جس حالت میں رہے!۔

لہٰذا قلب و روح کو مناسب غذا فراہم کرنا ضروری
ہے تاکہ جسم اور روح کا توازن برقرار رہ کر مقصودِ حیات
کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ و مامون رہے۔

روحانی معالجین

قلب و روح کو مناسب
مقدار میں غذا مہیّا
کرانے والے قدسی صفات بزرگوں کو عرفِ عام
میں اولیائے کرام کہتے ہیں۔ یہی ہمارے لیے قلب و روح
کے نبض شناس ہیں۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ ان سے
ہم اپنی قلبی بیماریوں کا علاج کرائیں۔ شفا دینے والا
تو اللہ ہی ہے۔ مگر جس طرح جسمانی بیماری کے ازالہ
کے لیے ہم کسی حکیم کی تلاش میں رہتے ہیں اور اس کے
پاس جانا، اس کے سامنے اپنا دکھ درد بیان کرنا
توحید کے منافی نہیں ۔ اسی طرح ان اولیاء کی
بارگاہوں میں حاضر ہونا اور ان سے فریاد کرنا توحید
کے منافی نہیں ۔ جس طرح جسمانی طبیب صرف
نبض دیکھ کر ہی اندرونی شکایت جان جاتا ہے اسی
طرح اولیاے کرام بھی اپنے عرفان سے سب کچھ جان
لیتے ہیں۔ چناں چہ مولانا رومی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

ایں حکیمانِ بدن دانش ور اند
بر سقام تو ز تو واقف تر اند
ہم ز نبض ہم ز رنگ و ہم ز دم
بو بر انداز تو بصد گونہ سقم
پس طبیبانِ الٰہی در جہاں
چو نہ ندانند از تو اسرارِ نہاں

حال تو دانند یک یک مو بمو
زانکہ پر ہستند از اسرار ہو

یعنی یہ بدنی حکیم بہت عقلمند اور دانا ہوتے ہیں کہ تیری نبض رنگِ خون دیکھ کر تجھ سے بھی زیادہ تیری بیماریوں پر واقف ہو جاتے ہیں۔ پس ان بدنی حکیموں کا یہ حال ہے کہ اپنی حکمت سے تیری پوشید باتوں کا سراغ لگا لیتے ہیں تو پھر جو حکیمانِ الٰہی اولیائے کرام ہیں وہ تیری چھپی باتوں پر واقف نہ ہوں گے بلکہ یہ لوگ تیرے بال بال کا حال جانتے اور خدا تعالےٰ کے عطا کردہ نور و عرفان سے تیرے ایک ایک حال کا انھیں علم ہو جاتا ہے۔

چناں چہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ جو مضمون کی مناسبت کے تحت ہے درجِ ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت کے زمانہ میں ایک مجوسی رہتا تھا۔ ایک روز اُس نے گلے میں زنّار پہن لیا اور اس کے اوپر مسلمانوں کا لباس پہن کر حضرت جنید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: حضور ایک حدیث پوچھنے آیا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ: یعنی مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جنید مسکرائے اور فرمایا: کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنا زنّار توڑ، کفر چھوڑ اور کلمہ پڑھ کر اسلام سے

رشتہ جوڑ۔ مجوسی نے جب یہ کرامت دیکھی تو جھٹ پکار اٹھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الغرض یہ ہے اللہ کے ولی کا علم و عرفان اور سب جانتے ہیں اولیائے کرام کے جملہ علوم و کمالات حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے صدقے میں ہیں اور انھیں کی اتباع سے انھیں یہ سب کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ پھر کس قدر ہیں وہ ناقدر لوگ جو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے علم و عرفان میں کلام کرنے لگتے ہیں اور انھیں کو دیوار کے پیچھے کی چیز سے بھی بے خبر بتانے لگے۔ العیاذ باللہ۔ ؎

سرِ عرش پر ہے تیری گزر دلِ فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں نہیں ہے کوئی شئی جو تجھ پہ عیاں نہیں

فاضلِ بریلوی نے ایک جگہ اس طرح سے بیان فرمایا ہے: ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
(حدائقِ بخشش)

ان قدسی صفات اللہ والوں نے اپنے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اس قدر صاف اور شفاف کر لیا ہوتا ہے کہ وہ اسرار و رموز کا مظہر بن جاتا ہے۔ صاحبِ تفسیرِ حسینی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: ؎

چیزے کہ او روشن است از غبار
شود نقش غیبی دراو آشکار

یعنی جو دل کے گناہوں کے گرد سے آئینے کی طرح صاف ہوتا ہے اس میں غیبی نقش خود بخود ظاہر ہونے لگتے

ہیں اور ایسے روشن ضمیر حضرات کی مبارک آنکھوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں لوحِ محفوظ تک جا پہنچتی ہیں۔ کیا ہی خوب فرمایا مولانا رومی علیہ الرحمہ و رضوان نے : ؎

لوحِ محفوظ است پیشانیٔ یار

چناں چہ محبوب سبحانی غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ارشاد فرمایا کہ

نظرت الی بلاد اللہ جمعا
کخردلۃ علی حکم اتصالی

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو دیکھ لیا اور میری نگاہ میں وہ سب رائی کے دانے کے برابر ہیں۔

اور کسی نے اس طرح کہا ہے : کہ ؎

اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا مجھ کو
کہ فلک تحال سے چھوٹا نظر آیا مجھ کو

صحبتِ صالحین

ان پاک لوگوں کے پاس جانا اور ان سے اپنی روحانی بیماریوں کا علاج چاہنا بہت ضروری ہے یہ لوگ اپنی مبارک نظروں سے دل کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔ اور ان کے پاس بیٹھنے سے ہی دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔ حضور سیدِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کے نیک بندوں کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے :
اذا رُؤا ذکر اللہ : یعنی جب انھیں دیکھا جائے تو اللہ کی یاد آجائے۔

چناں چہ ایک قاعدہ ہے کہ انسان جس قسم کے ماحول میں پہنچتا ہے اسی قسم کے خیالات اس کی فکر و نظر میں دوڑتے رہتے ہیں ۔ مثلاً کپڑے کے بازار میں پہنچے تو قسم قسم کا کپڑا خریدنے پر دل چاہنے لگتا ہے۔ صرافہ بازار میں پہنچے تو قسم قسم کے زیورات کی خواہش ابھرنے لگتی ہے۔ اسی طرح کسی اللہ والے کی مجلس میں جائیں تو "اللہ اللہ" کرنے پر دل چاہنے لگتا ہے اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں ایسے مواقع میسّر آئیں اور جو ان لوگوں کی صحبت سے مستفید ہو کر ذکر اللہ کو اپنالیں ان اللہ والوں کی صحبت کا یہ اثر دیکھ لیں کہ ان کے پاس حاضر ہونے والے کی زبان پر اللہ کا نام کچھ ایسا جاری رہنے لگتا ہے کہ کسی ایسے ہی شخص کو جو اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کا عادی ہو کسی وقت بے خبری میں اسے ' ڈرا کر دیکھئے تو اچانک اس کے منہ سے نکلے گا " اللہ " مگر جو بازار میں رہنے والا بُری سوسائٹی میں بیٹھنے والا اور کبھی مسجد میں نہ آنے والا اور کسی نیک بندے کے پاس نہ بیٹھنے والا ہو' اُسے ڈرا کر دیکھئے تو اچانک اس کے منہ سے نکلے گا " ارے تیری ماں کو " دیکھا آپ نے صحبت کا اثر ؟ صحبتِ صالحین کی بدولت ہر وقت اس کی زبان پہ ذکرِ حق ہی رہے گا اور یہ بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ کہ قبر میں جب فرشتے آکر جگائیں گے تو

اُس وقت بھی وہ اللہ اللہ ہی کہتا ہوا اٹھے گا۔

لطیفہ یہ بھی ایک قاعدہ ہے کہ دن بھر جس کام میں رہا جائے۔ رات کو خواب میں بھی اسی قسم کے خیالات سامنے آئیں گے چناں چہ کہتے ہیں کہ ایک کپڑے کے تاجر رات کو سو رہے تھے تو آدھی رات کے وقت اس کی دھرم پتنی نے اچانک ایک آواز سنی "چرر" یہ چیرنے کی آواز سن کر عورت اٹھی اس نے دیکھا کہ تاجر اپنی ہی دھوتی کھول کر درمیان سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے ہیں اور ایک ٹکڑا اِس ہاتھ میں اور دوسرا ٹکڑا اُس ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے۔ دھرم پتنی نے کہا۔ یہ کیا بات ہے؟ تو تاجر بولا: کیا بتاؤں خواب میں دکان پر ایک گاہک آیا تھا۔ اس نے ایک دھوتی مانگی اور پسند کر کے کہا کہ اس تھان میں سے ایک دھوتی پھاڑ دو۔ میں نے اس تھان سے ایک دھوتی جو پھاڑی تو "چرر" کی آواز سے آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اپنی ہی دھوتی کھول کر میں نے پھاڑ دی ہے۔

دیکھا آپ نے تاجر صاحب جس شغل میں دن بھر رہتے تھے وہی شغل خواب میں بھی نظر آیا اور اپنی دھوتی کو پھاڑ ڈالا۔

الغرض اللہ والوں کی صحبت بڑی اچھی چیز ہے اور جو اِن کی صحبت کو پالیتا ہے وہ بہت کچھ پالیتا ہے۔ اور اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور جو شخص دنیا ہی میں مگن رہتا ہے اور ان اللہ والوں سے دُور رہتا ہے وہ خسارے میں رہتا ہے۔

چناں چہ مولانا رومی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں: ؎

ہمچو بلبل دوستی گل گزیں
تا شوی با خرمن گل ہمنشیں
زاغ چوں مردار راشد ہم نفس
یار او مردار خواہد بود بس

یعنی بلبل کی طرح پھول سے دوستی رکھ اور کوّے کی طرح مردار پسند نہ بن۔ وہ دُنیا جو اللہ تعالےٰ سے غافل کر دینے والی ہو مُردار ہی تو ہے۔ یہ اللہ والے اپنے فیض سے انسان کو اس غفلت کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ اور اسے ذکرِ حق اور یادِ رسول جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں اور انسان کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

عاشقِ صادق کا ایک خواب

سراج الاولیاء حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ والرضوان کی عظمت اور بزرگی اور ان کی تصرّفات سے اہلِ نظر اچھی طرح واقف ہیں۔ ایک عاشقِ صادق نے بہت ہی اہم اور پیارا خواب دیکھا کہ وہ عرشِ الٰہی اپنے کاندھے پر لیے جا رہا ہے۔ چوں کہ خواب بہت اہم اور پیارا تھا۔ اس لیے وہ اس کی تعبیر کے لیے سرگرداں رہا جو بھی ملتا اَیرے غیرے سبھی سے پوچھتا۔ عام

طور سے مسلمانوں کا مزاج ہے کہ جب وہ اچھا خواب دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر کے لیے بے چین و بے قرار رہتا ہے۔ ہوش مندوں نے اس کو آگہی دی کہ اے نادان! اونچے خواب کی تعبیر کسی اونچے ہی سے دریافت کرنی چاہیے اور اس وقت ہم میں سب سے زیادہ اہم ترین شخصیت حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہٗ کی ہے۔ لہٰذا اگر اپنے خواب کی تعبیر لینا چاہتے ہو تو بارگاہِ جنید میں چلے جاؤ چناں چہ وہ اسی غرض سے بغداد کے لیے روانہ ہو گیا۔ مگر جب وہ بغداد کی شاہ راہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ کئی آدمیوں کا ایک ہجوم سڑک سے گزر رہا ہے۔ ایسا اژدحام اور جم غفیر کم کا ندھے سے کاندھا چھِل رہا تھا۔ کہیں تِل دھرنے کی جگہ نہیں۔ لوگوں سے اس اجنبی نے پوچھا۔ انسانوں کی یہ کیسی بھیڑ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ تجھے نہیں معلوم کہ عارف باللہ حضرت جنید بغدادی کا وصال ہو گیا ہے۔ اللہ کے اسی برگزیدہ بندے کا جنازہ جا رہا ہے۔

اجنبی مسافر نے ہائے کرکے سینے پر ہاتھ رکھا اور غم ناک آنکھوں کا آنسو اپنی آستینوں میں جذب کر لیا۔ دل کو یہ سمجھا کے ڈھارس دی کہ یہی سعادت کیا کم ہے کہ ایک ولی کے جنازے کو کاندھا دینا میسّر آگیا۔ لپکا اور آگے بڑھا حضرت جنید بغدادی کا جنازہ کاندھا دینے کے لیے آگے بڑھا اور گرتے پڑتے گھوارے تک پہنچ گیا۔ دِل دھڑکا۔ آنکھیں اشک بار ہوئیں۔ کاندھا دیتے وقت عرض کیا: حضور! تم سے تعبیر لینے آئے تھے اور تمہیں چلے بھی جا رہے ہو۔

بس اس کا اتنا کہنا تھا کہ گھوارے سے مدھم آواز آئی: نادان! یہی تو تیرے خواب کی تعبیر ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم "قلب المؤمن عرش اللّٰہ" مومن کا دل عرشِ الٰہی ہوتا ہے۔ گویا تو جنازہ نہیں بلکہ اپنے کاندھے پر عرشِ الٰہی اٹھائے ہوئے ہے یہی تیرے خواب کی تعبیر ہے۔

گویا اللہ والے مر کر بھی زندہ ہیں اور اپنی نورانیت اور روحانیت کے فیضان سے ہر سوالی کے دامنِ گو ہر مراد کو بھر دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ روحانی طبیب ہیں۔ جن کی بارگاہ میں ایک خوش عقیدہ مسافر نے آکر خواب کی حقیقی تعبیر حاصل کر لی۔

قیامت کے دن

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ کے مقبول بندے جب جنّت کو جا رہے ہوں گے تو جہنمی لوگ راستے میں صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے تو ایک دوزخی ایک جنّتی سے اس کا نام لے کر کہے گا: یا فلاں آما تعرفنی اَنَا الذی سقیتک شربۃ وقال بعضھم اَنَا الذی وھبت لک وضوءً فیشفع لہٗ فیہ خلۃ الجنّۃ (مشکوٰۃ: ۴۸۶)

اے فلاں! کیا تو مجھے نہیں پہچانتا کہ میں وہی ہوں جس نے تجھے ایک دفعہ پانی پلایا تھا اور ایک دوزخی اس سے یوں کہے گا اور میں وہی ہوں جس نے تجھے وضو کے لیے پانی دیا تھا۔ پس وہ جنّتی اس دوزخی کی شفاعت کر کے جنّت میں لے جائے گا۔"

ان اللہ والوں سے ذرا سا حسنِ سلوک بھی قیامت کے روز فائدہ دے گا۔ اس حدیث کے مطابق ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ کل قیامت کے دن ان اللہ والوں کی خدمت ہمارے کام آئے گی اور ہمارے لیے موجب نجات ہوگی۔

بعدِ وفات

ان اللہ والوں کی معیت اور صحبت بڑی مفید چیز ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ اس زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد ان اللہ والوں کی برکت جاری رہتی ہے جیسا کہ حضور سیدعالم روحی فداہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشاد مبارک ہے: اَدْفِنُوا اَمْوَاتَکُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِیْنَ فَاِنَّ الْمَیِّتَ یَتَاَذّٰی مِنْ جَارِ السُّوْءِ کَمَا یَتَاَذّٰی الْحَیُّ (فتاویٰ عزیزی: ج ۲، ۱۴۸) یعنے اپنے مُردوں کو نیک لوگوں کے درمیان دفن کرو اس لیے کہ میّت کو بھی بُرے پڑوسی سے ایذا ہوتی ہے جس طرح زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔" کیا ہی مبارک ارشاد ہے اور ان اللہ والوں کے فیض و برکت پر یہ ارشاد کس طرح دلالت کر رہا ہے گویا یہ اللہ والے انتقال کے بعد اپنے پڑوسیوں کے لیے موجب راحت و رحمت ثابت ہوتے ہیں۔ ہم جتنا بھی اپنے اسلاف و اخلاف پہ ناز کریں کم ہے، کم ہے۔

جو اُن کے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں
آسرا جب تک نہ لوگے اولیاء اللہ کا
سخت مشکل ہے پتہ ملنا رسول اللہ کا
بندہ نواز خواجہ گیسو دراز خواجہ
اس کی دُعا سے ہم کو مل جائیگا مدینہ

انبیائے کرام کی دُعائیں

انبیائے کرام علیہم السلام پاک و معصوم ہوتے ہیں۔ مگر تعلیم اُمّت کے لیے ان کی پاکیزہ دعائیں سنیئے جو انھوں نے اپنے رب سے مانگیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام دُعا مانگتے ہیں:
اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔
یعنی اے مولا! دُنیا اور آخرت میں تُو ہی میرا رفیق ہے۔ اس دُنیا سے مجھے مسلمان اٹھا اور اپنے نیک اور صالح بندوں سے مجھے ملا دے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:
وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ
یعنی اے مولا! اپنی رحمت سے تو مجھے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا ملاحظہ فرمائیے:

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۔

اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔

سبحان اللہ! کیا مبارک دعائیں ہیں گویا امّت کے لیے یہ سبق ہے کہ ان اللہ والوں سے تعلق اور نسبت اس زندگی میں بھی رکھو اور مرنے کے بعد بھی انھیں پاک لوگوں سے تعلق رہنے کی دعائیں مانگو۔

آپ غور فرمائیں اور سوچیں کہ ان اولیاء اللہ اور صالحین بندوں کی ہمیں کس قدر حاجت اور ضرورت ہے اور اُن کی معیّت و نسبت کس قدر ضروری ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اس دورِ پُر فتن میں اللہ والوں کا مذاق اڑانا ایک فیشن ہوگیا ہے۔

نسبت کی اہمیت

ہدایہ: جلد ثالث: باب الکراھیۃ فقہ حنفی کی بڑی معروف اور مشہور کتاب ہے اور تقریباً ہر مدارسِ دینیہ میں داخلِ نصاب ہے۔ اس باب کے تحت حاشیہ پر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت ہے کہ عرب کے بدو یعنی صحرا نشین (جنگل کے رہنے والے) جس وقت مدینۂ پاک کی طرف سفر کرتے تھے تو جہاں سے سرحدِ مدینہ شروع ہو جاتی وہاں کی کنکریوں کو لے کر چومتے اور بوسہ دیتے۔

بدویوں سے لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ کنکر اور پتھر چوم رہے ہو؟ فوراً ان جنگل کے رہنے والوں نے جواب دیا: یہ کنکر، کنکر سمجھ کر نہیں چوما جا رہا ہے۔ بلکہ یہاں سے مدینہ کی سرحد شروع ہو گئی ہے۔ یہاں کے ایک ایک ذرّہ کو نسبت ہے میرے سرکار سے اس لیے یہاں کا ایک ایک ذرّہ اس قابل ہے کہ بوسہ دیا جائے چوما جائے اور اس کے ادب و احترام بجا لایا جائے۔

ادائیگیٔ مستحب کے لیے محبّت کی ضرورت ہے۔ محبّت خود ایک مستقل قانون ہے اس کو کسی دوسرے قانون و ضابطہ کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ فرائض، واجبات اور سنن کے لیے مار پیٹ دھمکی کی ضرورت پڑتی ہے مگر مستحب کے لیے صرف محبّت کی ضرورت ہے۔ ے

محبت کی نہیں جاتی محبت ہو ہی جاتی ہے
یہ شعلہ خود بھڑکتا ہے بھڑکایا نہیں جاتا

ایسے ہی ایک انسان، عطائے رسول خواجہ غریب النواز اور شہنشاہ بغداد کے دربار میں حاضر ہوتا ہے تو مزارِ مقدس کی چادر کو چومتا ہے، بوسہ دیتا ہے، حسین و خوب صورت اور قیمتی کپڑا سمجھ کر نہیں صرف اس لیے کہ اس کو شہنشاہ بغداد سلطان الہند سے تعلق ہو گیا ہے یہ ثمرہ ہے نسبت کا۔

یہاں تو دو نگاہوں کا فرق ہے کہ کس کی نگاہ صرف خواجہ کے روضۂ مبارک کی اینٹ اور پتھر دیکھتی ہے اور کس کی حقیقت شناس نگاہ صرف کنکر اور پتھر کو چوم کر غوث و خواجہ کی روحانیت

کو دیکھتی ہے۔ بہ نو نگاہ کا فرق ہے۔

ایک دوسری مثال:

خوش عقیدہ مسلمان نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد قرآنِ پاک تلاوت کرنا چاہتا ہے تو پہلے تلاوت نہیں کرتا بلکہ اسے چومتا ہے۔ جب وہ چومتا ہے تو ہونٹ کس پر پڑتا ہے! آخر جزدان ہی پر نا؟ یہ کپڑا ہی تو ہے؟ تو کیا مسلمانوں کو کپڑا چومنے کا ہیضہ ہوگیا ہے؟

اگر ایسی بات ہوتی کہ ہمارا مزاج کپڑا ہی چومنے کا ہوتا تو کلاتھ مرچنٹ کے یہاں آتے اور خوب کپڑے چومتے۔ اپنی شیروانی چومی جاتی اپنا دامن چوما جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جزدان کو کپڑا سمجھ کر نہیں چوم رہا ہے بلکہ نسبتِ قرآن کو چوم رہا ہے۔ بس ایسے ہی جو مسلمان اللہ کے ولی کی قبر کو چادر کو چوم رہا ہے اور اس مقدس جگہ کے فیضان سے اپنے آپ کو مالا مال کر رہا ہے۔ وہ اس لیے نہیں کہ کمخواب و مخمل سمجھ کر چوم رہا ہے بلکہ نسبتِ ولایت اور نسبتِ خواص کو چوم رہا ہے۔ کسی کمتر اور چھوٹی شئے کو جب کبھی بڑی شئے سے نسبت ہو جاتی ہے تو اس میں بھی بڑائی آہی جاتی ہے۔ یہ اشارات واضح اور روشن ہیں۔ مزید تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

ارشادِ مصطفیٰ

حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ۔ (مشکوٰۃ) آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ اس کا دوست کون ہے۔ یہ اشارہ اس چیز کی جانب ہے کہ جس شخص کا دوست جس دین و ملت کا ہوگا وہ شخص اسی دین پر اٹھے گا۔ درج ذیل آیت ہمارے لیے اللہ کی جانب سے ایک ہدایت کا انمول نگینہ ہے۔ وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع کرے ہمیں ان اللہ والوں کی پیروی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ انھیں کی پیروی سے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

بیعت کی حقیقت

یہ جو کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جاتا ہے اور جسے بیعت کرنا کہا جاتا ہے، اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس امر کا وعدہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ میں آپ کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔ مطلب یہ کہ آپ میری نظر میں متبعِ شریعت ہیں اور آپ کا ہر قدم شرع ہی کی راہ میں اٹھتا ہے۔ اس لیے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر چلوں گا۔

متبعِ شریعت

اس واضح حقیقت کے بعد متبعِ شریعت یعنی پیر

وہ پکڑنا چاہیے جس کا ہر قدم شرع کی راہ میں اُٹھتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیر بے نام پیر ہو، بے نمازی، شریعت کے خلاف باتیں کرنے والا علم و عمل سے کورے، عقیدت و محبت سے دُور اس قسم کے خیالات والے شیطان پیر سے بچنا ضروری ہے۔

شیخ الحدیث، کثیر التصانیف حضرت علامہ عبدالمصطفےٰ صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں ایک نام نہاد پیرزادہ صاحب کا ایک لطیفہ لکھا ہے جو کہ اہلِ بصیرت کے لیے عبرت خیز اور سبق آموز ہے۔ چناں چہ نا اہل پیرو مرشد سے ہشیار رہنے کی غرض سے وہ لطیفہ درج کیا جارہا ہے۔

لطیفہ سُنا ہے کہ کوئی پیرزادہ صاحب دریا میں گر پڑے تھے اور ڈوبنے لگے فوراً ہی کوئی شریف آدمی دوڑ پڑا اور بولا کہ حضور! دیجیے ہاتھ! تو پیرزادہ صاحب پیچھے ہٹ گئے اور ڈبکی لگانے لگے۔ اتنے میں اُن کا مُرید جو اُن کا مزاج داں تھا، آگیا اور کہا کہ حضور "لیجیے ہاتھ" تو فوراً پیرزادہ صاحب نے ہاتھ بڑھا دیا اور دریا میں سے نکل آئے تو شریف آدمی نے پوچھا: کہ حضور یہ کیا معاملہ ہے کہ میں نے جب کہا کہ "حضور" دیجیے ہاتھ" تو آپ پیچھے ہٹ گئے اور ڈوبنے لگے اور جب مُرید نے کہا کہ حضور! "لیجیے ہاتھ" تو آپ نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر نکل آئے۔ تو پیرزادہ صاحب نے فرمایا کہ "کچھ نہیں" بس "دیجیے" اور "لیجیے" کا فرق ہو گیا۔ آپ نے "دیجیے ہاتھ" کہا تھا اور ہم پیرزادہ لوگ کبھی "دیجیے" کا لفظ سُننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے، خواہ ہم ڈوب ہی کیوں نہ جائیں ہم تو بس "لیجیے" سننے کے خوگر اور عادی ہیں اس لیے جب مرید نے "لیجیے ہاتھ" کہا تو حسبِ عادت ہمارا ہاتھ بڑھ گیا اور ہماری جان بچ گئی۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور پُرانے لوگوں میں "پیری مریدی" کا شغل اللہ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی رضا اور خوشنودی کے لیے تھا اور اب نا اہلوں نے اس کو روٹی کا دھندا بنا لیا ہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ کسی مسخرے شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ؎

باندھے کوئی رومال تو روٹی کے واسطے
کپڑے جو پہنے لال تو روٹی کے واسطے
سر پہ بڑھائے بال تو روٹی کے واسطے
ہیں سارے کشف و حال تو روٹی کے واسطے
آیا اگر جلال تو روٹی کے واسطے
دکھلایا گر جمال تو روٹی کے واسطے
تسبیح ذوالجلال تو روٹی کے واسطے
قوالی اور حال تو روٹی کے واسطے
گدی کا ہے جدال تو روٹی کے واسطے
قبروں پہ دھمال تو روٹی کے واسطے

ڈاکٹر اقبال نے بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا ہے کہ: ؎

"قُم بِاذنِ اللہ" جو کہتے تھے سب رخصت ہو گئے
خانقاہوں میں "مجاور" رہ گئے یا "گورکن"

بہرحال بدعقیدہ اور بد عمل پیروں سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہرکس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی عاقبت کو تباہی سے بچانا ضروری ہے۔ ہر اعتبار سے اپنے شیخ کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی انھیں اپنا متبع شریعت گردانا چاہیے۔ جیسا کہ مذکورہ آثار و اشارات سے واضح اور روشن ہوا۔

نتیجۂ تحریر: ان آثار و اشارات سے یہ باتیں اچھی طرح واضح ہو گئیں کہ اگر ہمیں اپنی زندگی کی گاڑی کے پہیئے کو تندرست و توانا بنانا ہے تو ان قدسی صفات بزرگانِ دین کی بارگاہ عالیہ میں حاضری دینا پڑے گا۔ کیوں کہ یہی روحانی طبیب ہیں۔ یہ اپنی روحانیت و نورانیت کے فیضان سے ظلمت کدہ دلوں کو صاف و شفاف بنا دیتے ہیں۔ کیوں کہ انھیں خدا کی معرفت حاصل ہوی ہے۔ وہ کہیں ہوں، کسی حال میں بھی ہوں، کسی لباس میں بھی ہوں، خدا سے قریب ہوتے ہیں ان بزرگانِ دین کا کیا کہنا، جو مر کر بھی زندہ ہیں اور اپنی روحانیت کی سوغات و فیضان سے ہر روحانی مرض کا علاج کرتے ہیں۔

لہٰذا ان سے الفت و مروّت، عقیدت و محبت زندگی کی آخری لمحات تک رکھنا چاہیے۔ یہ ہمارے لیے رہبر و رہنما ہیں۔ ان کے آداب و احترام ہمارے سر و آنکھوں پر، ان کی عزت و عظمت پہ ہماری جان و مال قربان ہوں۔

- یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
  جو کچھ ہوا بیان وہ آغاز باب ہے
- مقصود ہے اس بزم میں اصلاح مفاسد
  نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین! بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

وما علینا الا البلاغ

بقیہ صـ 74 کا

"ایک نادر و نایاب طریقۂ تربیت"

رسالے شائع ہوے ہیں۔ جن میں (۱) خانوادۂ اقطابِ ویلور۔ (۲) انوارِ اقطابِ ویلور (۳) رسائل حضرت قربی رحمۃ اللہ علیہ۔ (۴) رسالۂ بیعت غائب و حاضر۔ (۵) میزانِ العقائد۔ (۶) انشائے عقائد ذوقی (۷) جواہر السلوک ابتدائی دس فوائد قابلِ ذکر ہیں۔

شمالی آرکاٹ کے شعر و ادب کا پس منظر

★ ڈاکٹر جاویدہ حبیب ایم، اے؛ ایم، فل، (اردو) ایم، اے؛ (عربی) پی ایچ ڈی؛

ٹمل ناڈو میں اردو تاریخ پر ایک سے زیادہ مستقل کتابیں چھپ چکی ہیں۔ جن میں نصیر الدین ہاشمی کی "مدراس میں اردو"، ڈاکٹر افضل الدین اقبال کی "مدراس میں اردو ادب کی نشوونما" اور علیم صبا نویدی "ٹمل ناڈو میں اردو" اور "ٹمل ناڈو کے مشاہیر ادب" قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تصنیف "تاریخ ادب اردو" میں بھی ٹمل ناڈو کی ادبی تاریخ کے کچھ حصے مل جاتے ہیں۔ ان مستقل کتابوں کے علاوہ بیسوں مضامین یہاں کے شعر و ادب پر بمبئی سے نکلنے والے سہ ماہی رسالہ "نوائے ادب"، حیدرآباد کے ماہنامہ "سب رس"، اور دہلی کے پندرہ روزہ "ہماری زبان" میں چھپ چکے ہیں۔ حالیہ دور میں راہی فدائی اور علیم صبا نویدی کے بیسوں مضامین ٹمل ناڈو کے علاقائی شعر و ادب پر شائع ہو چکے ہیں۔ ان مقالوں اور مطبوعہ کتابوں کی روشنی میں ٹمل ناڈو کی اردو ادب کی تاریخ نہ صرف بڑی حد تک سامنے آ چکی ہے۔ بلکہ اس علاقہ میں اردو زبان و ادب کے آغاز کا بھی تعین ہو چکا ہے۔

شمال میں اردو زبان کی تشکیل مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہی سے ہونے لگی تھی۔ لیکن اپنی واضح شکل حضرت امیر خسروؒ کے زمانہ میں بناتی ہے اور دہلی کے عوام اور فوجوں میں اس کی بول چال عام ہونے لگتی ہے۔ اس کے فوراً بعد ملک کافور کا حملہ جنوب کے اس علاقہ پر جو آج کل ٹمل ناڈو کے نام سے موسوم ہے اردو کو یہاں لے آتا ہے۔ لیکن یہ علاقہ بنیادی طور پر دراویڈی زبان کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس نئی زبان سے متاثر نہیں ہوتا۔ محمد بن تغلق کے دوبارہ تسلط کا اثر بھی تقریباً صفر کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن عادل شاہی اور قطب شاہی حکومتوں کے زیر اثر آنے کے بعد حالات کچھ بدل جاتے ہیں۔ بیجا پوری کرناٹک اور حیدرآبادی کرناٹک کے تحت بالا گھاٹ اور پائین گھاٹ کے بڑے حصے ان دونوں حکومتوں کے زیر اثر آجاتے ہیں۔ پھر اورنگ زیب جب دکن کو فتح کر کے دہلی کی حکومت میں شامل کر لیتا ہے تو ٹمل ناڈو کے اس حصہ پر اسلامی اثرات اور تیز ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد 1698ء سے

اس علاقہ پر صوبۂ کرناٹک کے نام سے باقاعدہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔ جس کا سلسلہ 1855ء تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ 1855ء کے بعد اس علاقہ پر انگریز قابض ہو جاتے ہیں۔

محمد بن تغلق نے جنوب میں دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو دہلی کی بڑی آبادی اس مقام پر منتقل ہو گئی تھی اور اس آبادی کے وسیلہ سے جنوب میں اردو کے قدم جمنے لگے تھے۔ اگرچہ تغلق بہت جلد دہلی واپس ہو گیا مگر اس کی لائی ہوئی زبان جنوب میں ہی رہ گئی۔ پھر بہمنی دورِ حکومت اور اس کے بعد عادل شاہی اور قطب شاہی دورِ حکومت میں اس کے قدم بڑی مضبوطی کے ساتھ جم گئے۔ اسی دوران یہ دکن سے مزید جنوب کی طرف سفر کرتی ہے۔

ٹمل ناڈو کی سرزمین پر اردو زبان کے آثار عادل شاہی اور قطب شاہی دور سے کچھ پہلے ہی نظر آنے لگے تھے لیکن باقاعدہ ادبی روپ میں اردو اوائل دسویں صدی ہجری سے ملتی ہے اور اولین شاعروں اور نثر نگاروں میں شاہ سلطان ثانی کا نام ملتا ہے۔ شاہ سلطان ثانی کا تعلق شمالی آرکاٹ سے تھا۔ شاعری اور نثر دونوں میں تصانیف چھوڑی ہیں۔

حضرت شاہ سلطان ثانی کے بعد کئی نام سامنے آتے ہیں۔ جس میں شاہ عالم شغلی، شاہ مرتضیٰ گیلانی، شاہ صادق آرکاٹی وغیرہ نے اس سلسلے کو تسلسل کے ساتھ آگے بڑھایا۔ یہ زمانہ نواب ذوالفقار خان سے نواب سعادت اللہ خان تک پھیلا ہوا ہے۔ نواب محمد علی خان والاجاہ کے بعد اس ادبی سلسلہ کو آگے بڑھانے والوں میں کئی اہم نام سامنے آتے ہیں۔ جن میں ولی ویلوری، شاہ تراب ترناملی اور سید شاہ ابوالحسن قربی کا ذکر اہم ہے۔

مولانا قربی سے آرکاٹ کے علاقے میں جس کا ایک حصّہ ویلور بھی ہے اردو شاعری نئی زندگی پاتی ہے۔ بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اردو شعر و شاعری کا ماحول اس علاقہ میں انھیں کا پیدا کردہ ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے ولی ویلوری پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن ولی کی شاعری کا زمانہ سدھوٹ میں گزرا جس کی وجہ سے وہ ویلور کے ماحول کو متاثر کر پائے تھے۔ قربی ویلوری کے بعد یہ روایت ان کے فرزند ذوقی ویلوری اور ان کے ایک عزیز شاگرد باقر آگاہ ویلوری کے ہاتھ منتقل ہو جاتی ہے۔ ذوقی ویلوری ہی میں رہے۔ لیکن ان کی توجہ اردو پر کم اور فارسی پر زیادہ رہی۔ حضرت محوی کی اردو خدمات بھی اپنی جگہ پر بڑی وقیع اور اہم ہیں۔ انھوں نے عوام کی تعلیم اور اصلاح کے لیے دکھنی زبان ہی اپنایا جو عام طور پر بولی اور سمجھی جا رہی تھی۔ باقر آگاہ کی زندگی کا ابتدائی حصّہ ویلور میں گزرا اور وہ قربی سے فیض پاتے رہے۔ آگے چل کر کچھ مدّت تک انھیں ترچناپلی

میں بھی قیام کرنا پڑا اور جب ان کی شاعری کے شباب کا زمانہ آیا وہ مدراس منتقل ہوگئے۔ اگرچہ وہ آخر زمانہ تک مدراس ہی میں رہے۔ لیکن ان کی شاعرانہ صلاحیت اور تحصیلِ فن سرزمین ویلور شمالی آرکاٹ کی دین ہے اس لیے اُن کا ویلوری کہلانا حق بجانب ہے۔ ولی ویلوری کی طرح باقر آگاہ نے بھی مثنوی کو ہی قابلِ توجہ سمجھا۔ مثنوی اُن کے ہاں اپنے دامن کو وسیع کر لیتی ہے۔ ان کے ہاں مثنوی کے موضوعات میں مذہبی شخصیات سے لے کر عشقیہ داستانوں تک شامل ہیں۔ غزل کو انھوں نے وہ مرتبہ نہیں دیا جو مثنوی کو دیا۔ لیکن اس صنف میں بھی ایک دیوان چھوڑا ہے حضرت فرؔبی نے اردو نثر میں بھی اپنا الگ مقام بنایا ہے۔ جس کا اعتراف اکثر ناقدین ادب نے کیا ہے۔

حضرت شاہ تراب چشتیؒ اسی دَور کے شاعر ہیں۔ جن کی پیدائش ضلع شمالی آرکاٹ ہی کے ایک اور شہر ترناملی میں ہوی۔ ان کی کئی تصانیف ہیں۔ جن میں "من سمجھاون" بہت مشہور و مقبول ہوی۔ اور تصوف اور فلسفہ ان کے کلام میں رچا ہوا ہے۔ ان کا دور نواب محمد علی خان والاجاہی کا عہدِ حکومت تھا، جو شعروادب کی ترقی و ترویج اور شاہی سرپرستی کے لیے مشہور رہے۔ ان کے بعد نواب عمدۃ الامراو ممتاز کا مختصر سا زمانہ بھی شعروادب کی سرپرستی سے محروم نہیں رہا۔ خود ممتازؔ ایک اچھے شاعر تھے۔ ان کے جانشین نواب عظیم الدولہ کا عہد قدرے طویل یعنی تقریباً بیس 20 برسوں پر محیط ہے۔ یہی وہ دور تھا جس میں باقر آگاہ غوثی آرکاٹی اور علام محی الدین معجز، حکیم عثمان خان سرور کی شاعری کے چرچے سنائی دیتے ہیں۔ باقر آگاہ کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ غوثی آرکاٹی کی تصانیف میں "قصص الانبیاء" عرف "ریاضِ مسعود" بہت مشہور مثنوی ہے۔ معجز جو مدراس کے استاد شاعر گزرے ہیں آرکاٹ ہی میں پیدا ہوئے تھے اور آرکاٹ ہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی نواب امیر الامراء کی دعوت پر مدراس آئے تو یہیں کے ہو رہے۔ باقر آگاہ سے شرف تلمذ تھا۔ ان کا ایک دیوان اردو میں موجود ہے۔

اگلے دَور میں دو نام ایسے نظر آتے ہیں، جن کے ذکر کے بغیر ٹمل ناڈو میں اردو ادب کی تاریخ نامکمل رہے گی۔ یہ نام ہیں محمد غوث شرف الملک اور مستقیم جنگ ناؔمی۔ شرف الملک نے نثر کو اپنے قلم کا میدان بنایا۔ "ترجمہ گیلانی" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ مستقیم جنگ لقب تھا اعزالدین کا، اعزالدین کبھی نامی تخلص کرتے تھے اور کبھی مستقیم۔ اگرچہ اُن کا خاندان گوپا مو کا تھا لیکن ناؔمی مدراس میں پیدا ہوے تھے اور باقر آگاہ سے شاگردی حاصل کی تھی۔ ان کی اردو مثنویوں میں "نو بہارِ عشق" اور "بہارستانِ عشق" بہت مشہور رہیں۔

یہاں یہ بات صاف کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شمالی آرکاٹ کی ادبی تاریخ لکھتے وقت اسے صوبۂ مدراس یا ٹمل ناڈو کے دوسرے ضلعوں سے الگ رکھنا مشکل ہے۔ کیوں کہ ٹمل ناڈو کا صوبہ ایک مکمل اکائی ہے۔ شہر مدراس، آرکاٹ یا ترچناپلی وغیرہ شہر یا اضلاع اس کے حصّے ہیں اور ایک شہر یا ضلع کے شاعر و ادیب حسبِ ضرورت دوسرے شہر یا ضلع میں متواتر منتقل ہوتے رہے ہیں ایسے میں کبھی شہر مدراس کے شعراء آرکاٹ میں منتقل ہونے اور آرکاٹ کے شعراء مدراس میں منتقل ہوتے ہوئے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں شہروں یا ضلعوں کو الگ الگ اکائی کے طور پر برتنے سے حالات اپنی سالم شکل میں سامنے آ نہیں سکتے۔ اس لیے یہاں ایک صوبہ کو بطور اکائی لیا جائے گا۔

مدراس میں مولوی محمد غوث شرف الملک کا خاندان آگے چل کر اردو کی خدمات میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ باقر آگاہ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی کہ آج عربی و فارسی سے زیادہ اردو میں کتابیں تصنیف کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے شرف الملک کے فرزند مولوی صبغۃ اللہ اور قاضی بدرالدولہ نے آگے بڑھایا اور نہ صرف اردو میں متعدد کتابیں لکھیں بلکہ اہم عربی و فارسی کتابوں کا آسان اردو میں بھی ترجمہ کیا۔ اسی خاندان کے جو دوسرے صاحبِ قلم حضرات گزرے ہیں ان میں مولوی عبدالقادر، شمس العلماء قاضی عبیداللہ کا ذکر ضروری ہے۔ اس خاندان میں غلام محی الدین معجز آرکاٹی کے علاوہ جتنے بھی اہلِ قلم گزرے ہیں نثر کے مردِ میدان تھے اور اس خاندان کی خدمات "قرآنیات"، "علم حدیث"، "سیرت"، "علمِ کلام فقہ" جیسے موضوعات پر نہایت وقیع رہی ہیں۔

لطیف آرکاٹی غالب کے ہم عصر اور آرکاٹ کے قابلِ قدر شاعر تھے۔ ان کا دیوان ان کی موت کے بہت بعد شائع ہوا۔ ان کے کلام کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمال کی منجھی ہوئی زبان کا اثر بڑی تیزی کے ساتھ دکنی پر ہونے لگا تھا۔ لطیف آرکاٹی کے کلام کی منجھی ہوئی اور دکنی اثرات سے پاک زبان اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر تک بھی ٹمل ناڈو میں اردو کے مراکز شہر ویلور اور ترچناپلی ہی تھے لیکن انیسویں صدی ختم ہوتے ہوتے اردو ادب کے قدم شمالی آرکاٹ میں آمبور، وانم باڑی، ترپاتور، ویلور، پلی گنڈہ، گڈیاتم، وشارم اور پرنام بٹ جیسے مقامات تک بھی پہنچنے لگے تھے۔ چناں چہ ان مقامات پر مولانا امانی پلیگنڈوی۔ مولانا فہیم آمبوری، علامہ شاکر نائطی شاکر وانمباڑوی، بادشاہ وانم باڑی، حکیم آسی ترپاتوری دانش فرازی، کاوش بدری، مولانا اسماعیل ذبیحی۔ عزیز تمنائی ابوالبیان حماد، حافظ اراجگوٹی، سالک نائطی، حکیم افسر پاشاہ

ناصر باقوی، فدوی باقوی، فیضی صدیقی، نیّر ربانی، کمالی ویلوری خطیب عبدالمجید، عبدالقادر نویدی، انوار اللہ، اصغر ویلوری عشرت باقوی، اشرف سعودی، بدر جامی، یعقوب اسلم، کاظم نائطی سہیل راشد، جلال عرفان، راہی فدائی، بشیر الحق قریشی کے نام ملتے ہیں جنکی علمی و ادبی کاوشوں سے ان شہروں کی زمین کو ادب و شعر کے لیے زرخیز بنا دیا۔ ان حضرات میں اچھے شاعر ہی نہیں بلند پایہ ادیب، محقق اور نقاد بھی ہیں۔ ان میں بعض شاعروں نے اپنے اساتذہ کے آگے زانوئے ادب بھی تہ کیا تھا۔ ان حضرات کے فیض سے یہ سارے شہر شعر و ادب کے گہوارے بن گئے اور ان مقامات پر ایک ایسا شعری و ادبی ماحول بن گیا جس کی خوشبوؤں سے آج بھی قوس و قزح کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی شمالی آرکاٹ میں اردو ادب کی نہ صرف نشو و نما ہوی بلکہ اس نے ارتقائی سفر بھی طے کیا ہے اور اپنے روشن کارناموں سے یہ علاقے اردو ادب کی تاریخ میں ایک الگ اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ●●

بقیہ صفحہ 87 کا

"اردو زبان میں نعت گوئی"۔

پڑھنے والے پر لعنت ہے۔ لیکن ضمیر یا اسم اشارہ ہو اور مشارٌ الیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذات ہو تو اس موقعہ پر درود پڑھنا اور لکھنا بالعموم رائج نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقعہ پر واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر اس موقعہ پر بھی درود لکھا اور پڑھا جائے تو ادب ہی میں داخل ہوگا۔ البتہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بجائے "ص" یا "صلعم" لکھنا درست نہیں ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے تو میں نے ایک بزرگ عالم دین کو دیکھا کہ جب اُن کے سامنے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نام آتا تو وہ ادب سے کھڑے ہوجاتے۔ یہ اُن کا ادب تھا۔ لیکن اِسے مسئلہ نہیں بنایا جاسکتا۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا جتنا بھی احترام ممکن ہو کیا جائے۔ کہ

ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس مضمون کا تعلق "اردو میں نعت گوئی" کے سلسلے میں زبان و بیان سے ہے۔ یہ کوئی فتویٰ نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد کسی کے خلاف کچھ لکھنا ہے۔ ہر کلمہ گو کا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم افضل الخلائق ہیں اور آپ کا احترام فرض ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ

ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

●●●

سیّد عبدالستار
گنٹکل

دُنیا و آخرت کی کامیابی والا سرمایہ ایمان ہے۔ اس دور میں ایمانی سرمایہ کی حفاظت اور نگرانی بے حد ضروری ہے۔ ویسے تو دُنیا کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا انسان اپنے سرمایہ کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ اس کی حفاظت میں دُنیا کی کامیابی ہے اسی طرح صبح و شام وہ اس کی فکر میں رہتا ہے، کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے۔ اور اس میں خوب ترقی ہو۔ مسلمانوں پر اللہ کا خاص کرم ہوا ہے کہ اس نے ہم کو دُنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج ہم نہ اس اصل سرمایہ کی حفاظت کر رہے ہیں اور نہ ہی اس کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ موجودہ پُرخطر دور میں ایمانی سرمایہ کی حفاظت ہمارے لیے بے حد ضروری ہے۔ آیئے میں آپ لوگوں کے سامنے ایک سچّا واقعہ پیش کروں۔

بتایا جاتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو چھوٹی سی عمر میں علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے کئی سال ہو گئے تھے اور اب انھیں رہ رہ کر اپنی بوڑھی ماں اور مادرِ وطن کی محبت ستا رہی تھی۔ ایک روز اپنے استاد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے اپنے وطن جانے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ اب میں چاہتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنی بوڑھی والدہ کی خدمت میں پہنچ جاؤں، جو دن رات مجھ کو یاد کرتی ہوگی اور میرے دید کے لیے بے قرار ہوگی۔

جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سُنا تو انھیں اپنے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ اسی وقت سامانِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ امام صاحب نے ایک قاصد کو پہلے سے مکہ کی جانب روانہ کر دیا، تاکہ وہ جا کر گھر والوں کو اطلاع کر دے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تعلیم سے فارغ ہو کر مکہ پہنچ رہے ہیں۔ اس کے بعد

آپ نے فوراً اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ کے آگے اور پیچھے خراسانی گھوڑے، مصری خچّر کپڑوں اور غلّوں اور درہم اور دینار سے لدے ہوئے تھے۔ پہلے کے مقابلہ میں آج کا سفر نہایت

ہی طویل محسوس ہو رہا تھا۔ راستہ میں کبھی مکہ کی گلیوں اور بوڑھی ماں کی محبت بھری اداؤں کا خیال آتا تو کبھی اپنے ساتھیوں کی یادیں بے چین کر رہی تھیں۔ بس انھیں یادوں میں وطن سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ جب حدودِ حرم میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چند عورتیں انتظار میں کھڑی ہیں اور ان کی بوڑھی ماں بھی انھیں اپنے گلے لگانے کے لیے بے قرار کھڑی ہیں۔ جیسے ہی قریب پہنچے اور گھوڑے سے نیچے اُترے تو ماں نے آپ کو گلے سے لگا لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔ اور کچھ دیر تک خوشی کے آنسوؤں بہاتی رہیں۔ پھر اُن کی بوڑھی خالہ نے آپ کو گلے سے لگایا، پیشانی کو چوما اور اب مکّہ کے بہت سے مرد، عورتیں اور بچّے یہاں جمع ہو گئے تھے۔ اس دوران وہ دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ اپنے لائے ہوئے قیمتی سامان کو دیکھتے رہے اور کبھی اپنی بوڑھی ماں کو۔ مگر انھوں نے کیا دیکھا کہ سب خوش ہیں لیکن ان کی ماں کے چہرے پر مسکراہٹ کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ جب کافی دیر کے بعد آپ نے اپنی والدہ کو چلنے کے لیے کہا تو بوڑھی ماں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا: بیٹا! یاد ہے میں تو تجھے جب رخصت کر رہی تھی تو میرے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور میں نیرے شوق کو دیکھ کر وہی تیرے حوالے کی تھی اور تجھے ایک فقیر کی طرح گھر سے روانہ کیا تھا اور ان آرزوؤں کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ تو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دولت سے مالا مال ہو کر لوٹے گا۔ میں نے تجھے یہ دنیا کی دولت لانے کے لیے نہیں۔ کیا تو یہ سب اس لیے لایا ہے کہ اپنے چچا کے بیٹوں پر فوقیت جتائے گا، انھیں حقیر سمجھے اور دنیا والے تجھے دولت مند سمجھیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بالکل خاموش کھڑے ہوئے اپنی بوڑھی ماں کو حیرت سے تکتے رہے، یہ سوچ رہے تھے۔ اللہ اکبر! دولتِ دُنیا سے یہ بے نیازی، علم دین کی یہ عظمت ہے۔ ان کا دل عقیدت سے جھک گیا اور ان کی آنکھیں گرم آنسوؤں سے بھیک گئیں اور انھیں جو کچھ ملا ہے ماں کی مقبول دعاؤں اور پاک آرزوؤں کی بدولت ہی ملا ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ برسوں سے پڑھنے اور سیکھنے کے باوجود بھی آج جو بوڑھی ماں نے جو کچھ سکھایا اور انھوں نے شوق و محبت میں اپنی ماں کے ہاتھ چوم لیے۔ پھر نہایت عاجزی سے انھوں نے کہا: امّی فرمائیں میں اب کیا کروں؟ تو ماں نے کہا: کہ بیٹا! اعلانِ عام کر دو کہ

بھوکے آئیں اور غلّہ لے جائیں
پیادے آئیں اور سواریاں لے جائیں
ننگے آئیں اور کپڑے لے جائیں
نادار آئیں اور دولت لے جائیں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت والدہ کا حکم پاتے ہی اعلانِ عام فرما دیا اور تھوڑی دیر میں وہ

ساری دولت مکہ کے غریبوں، ناداروں میں تقسیم ہوگئی اور اُن کے پاس ایک خچر اور پندرہ دینار کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے بعد جب آپ اپنی والدہ کے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ میں ہوئے تو آپ کا کوڑا گر گیا۔ ایک باندی اس کوڑے کو اٹھا کر نہایت احترام وادب کے ساتھ آپ کے حوالے کیا۔ انھوں نے اس باندی کو انعام دینے کے لیے پانچ دینار نکالے تو ماں نے کہا۔ بس بیٹا! تمہارے پاس پانچ دینار رہی ہیں تو شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابھی ابھی دس دینار باقی رہ گئے ہیں۔ تو امّی نے کہا: بیٹا! وہ دس دینار کس لیے رکھے ہو تو بیٹے نے جواب دیا۔ یہ دس دینار اس لیے رکھا ہوں کہ ضرورت پڑنے پر کام آئیں گے اب غلّہ بھی نہیں بچا ہے۔ تو ماں نے جواب دیا۔ ارے بیٹا! تعجب ہے! دس دینار پر تو اتنا بھروسہ کیا اور سب کچھ دینے والے پر ذرا بھی بھروسہ نہیں کیا۔ نکال سارے دینار اس باندی کے حوالے کردے۔ تو امام شافعی علیہ الرحمہ نے سارے دینار اُس باندی کو دے دیے۔ اب اُن کا ہاتھ خالی تھا لیکن دل ایسا غنی تھا کہ اس سے پہلے ایسا کبھی غنی نہیں تھا۔ ماں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑے پیار سے فرمایا: بیٹے اسی حال میں اپنے جھونپڑے میں داخل ہو جس حال میں تو یہاں سے نکلا تھا۔ مگر آج میرے جھونپڑے میں وہ روشنی ہوگی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ خدا نے تیری پیشانی میں علم کا نور رکھا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ نورِ دنیا کی روشنی میں دھندلا ہو اور اس میں کمی آئے۔ بیٹے! تجھے یاد ہے میں نے رخصت کرتے وقت تجھے دعائیں دی تھی کہ خدا تجھے علم کے آسمان پر سورج بنا کر چمکائے۔

وماعلینا الاالبلاغ

"سرکارِ دو عالم کے حضور میں"

احمد لپّے محمد زکریا صاحب صابر آمبوری

بخشش کہاں ہے صاحبِ قرآں ترے بغیر
ملتی نہیں ہے دولتِ ایماں ترے بغیر

لاریب فی! ہر بشر نے یہ تسلیم کرلیا
انساں کبھی نہ بن سکا انساں ترے بغیر

مانا بہت ہیں قوم میں دانا و رہنما
گھر اب ہے پھر بھی قوم کا ویراں ترے بغیر

کر ایک بار رحمتِ عالم نظر ادھر
ہوگی نہ دُور سختیِ دوراں ترے بغیر

گو لاکھ کوششیں کریں ہم ان کے واسطے
ہوں گی مگر نہ مشکلیں آساں ترے بغیر

کیا دیر ہے برسنے میں ابرِ کرم برس
دھوئے گا کون دامنِ عصیاں ترے بغیر

میں ہوں وہ رُوسیاہ کہ محشر میں میرے پاس
کوئی نہیں نجات کا ساماں ترے بغیر

اب اِس صابرِ مجرم و محتاج کا کوئی
ہے یاں ترے بغیر نہ واں ترے بغیر

پیش کش: — مولوی اقبال احمد صاحب لطیفی نزنامل

حافظ عبدالسلام۔ زمرۂ خامسہ۔ دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور

ولی دو معنی پر مشتمل ہے۔ ایک دوست، دوسرا قریب رہنے والا۔ قربت رکھنے والا اور جس کے پاس ہے وہ والا مثلاً جس کے پاس علم ہے وہ علم والا، جس کے پاس عقل ہے وہ عقل والا، جس کے پاس پھول ہے وہ پھول والا، جس کے پاس پیسہ ہے وہ پیسے والا اور جس کی ہر سانس میں اللہ ہو، جس کا جینا مرنا اللہ کے لیے ہو تو وہ وہ اللہ والا۔ اللہ کے جو قریب ہے اللہ جس کے قریب ہے وہ اللہ والا۔

قرآنِ پاک میں اللہ ہر ایک کے قریب رہنے کا اعلان کر رہا ہے۔ جیساکہ ارشاد ہے: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد یعنی میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ تمہاری جانوں سے بھی قریب ہوں۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْط: ہر چیز کو احاطہ کیا ہوا ہے۔ تو اللہ کافر کے بھی ساتھ ہے مشرک کے بھی ساتھ ہے، وفادار کے بھی ساتھ ہے غدار کے بھی ساتھ ہے، ظالم کے بھی ساتھ ہے، مسلمان کے بھی ساتھ۔ اللہ ہر ایک کے ساتھ ہے تو کیا ہر کوئی اللہ والا ہے؟

اس بات کو سمجھنے کے لیے مولانا روم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ مثنوی شریف کی حکایت ہے۔ حکایت تو طویل ہے۔ لیکن یہاں مختصر انداز میں عرضِ خدمت ہے کہ ایک جوہری کے پاس بہت قیمتی ہیرہ تھا اور جوہری ہیرے کو بیچنے کے لیے سفر کرنے لگا۔ اس بات کی خبر کسی چور کو ہوی تو وہ بھی جوہری کے ساتھ سفر کرنے لگا جوہری پہلے خوش ہوا کہ سفر میں ساتھی مل گیا لیکن اُس کی نظروں کو اُس کے حرکات کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اُس کی نیّت میں خطرہ ہے تو جوہری چور سے کہنے لگا: ہم دونوں کو دُور دراز کا سفر کرنا ہے۔ ممکن ہے کئی ہفتے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم دونوں جاگتے رہے تو ہماری طبیعتیں خراب ہو سکتی ہیں اور اگر ہم دونوں سو جائیں تو مال کی حفاظت نہیں ہوگی۔ لہٰذا ایسا کرتے ہیں۔ آدھی رات میں سو جاؤں تو تم میری اور اپنی مال کی حفاظت کرنا۔ اور پھر تم سو جاؤ میں تمہارے اور میرے مال کی حفاضت کروں گا۔ چور اس ترکیب سے خوش ہو گیا۔ چناں چہ جب جوہری سو گیا تو چور جوہری

کے جیبوں میں، جوہری کے ہاتھوں میں، جوہری کے کپڑوں میں ہر جگہ ہیرے کو تلاش کیا لیکن اس کو ہیرا نظر تک نہیں آیا۔ جب جوہری جاگا رہتا تو ہیرہ بھی حاضر رہتا چور کئی مرتبہ ہیرے کو حاصل کرنیکی بہت کوشش کی لیکن نا کام رہا۔ جب سفر اختتام پر پہنچا تو چور نے جوہری سے پوچھا کہ تم مجھ کو اتنا بتادو کہ تم ہیرا کہاں رکھتے تھے تم سو گئے تو ہیرا غائب تم جاگتے تو ہیرا حاضر۔ جوہری چور سے کہنے لگا: ہیرا تو تیرے قریب تھا تو بھی ہیرے کے قریب تھا۔ چور کہنے لگا: میں سمجھا نہیں۔ جوہری بولا ہیرے کو میں تیری جیب میں رکھتا تھا۔

حضرات غور کیجئے چور ہیرے کے قریب تھا۔ ہیرا چور کے پاس تھا۔ لیکن چور کو اس کا علم نہیں اس کا احساس نہیں کہ ہیرہ اس کے نزدیک تھا۔ اگر اس کا علم ہوتا اس کا احساس ہوتا تو ممکن ہے کہ چور جوہری بن جاتا۔

بالکل اسی طرح اللہ ہر ایک کے قریب ہے لیکن جس کو اس کا علم ہو اس کا احساس ہو وہ اللہ والا ہوا۔ وہ ولی ہوا۔ جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ وہ عبادت اور ریاضت میں اس طرح منہمک ہوتے ہیں کہ اپنے آپ کو فنا فی اللہ کر دیتے ہیں اور اللہ تعالے انھیں متقی و مومن مقرب اہلِ ذکر و عباد الرحمٰن کے لقب سے ملقب فرمایا اور اللہ تعالے انھیں اپنی قربت خاص سے نوازا ہے اور اپنی نعمت و معرفت سے انھیں مالا مال کیا ہے۔

اور وہ بھی ہمہ وقت اس کی ذات میں گم اور مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ کائنات کے ہر ذرّہ میں چشم قلب سے وجہ اللہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر اللہ کا تصوّر اس طرح غالب ہے کہ کائنات میں کسی غیر کی صورت نظر نہیں آتی۔ ہر شئے میں تجلّی ہی تجلّی پاتے ہیں۔ انھیں ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالے کا ارشاد ہے: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ : آگاہ ہوجاؤ بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کسی طرح کا غم اور خفیف بھی یہی ہے کہ انھیں سوائے خدا کے کسی کا خوف نہیں، وہ کسی سے ڈرتے نہیں۔ چاہے وہ بادشاہ ہو یا امیر، اس دُنیا کی تمام چیزوں سے بے پروا ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اُن کے نزدیک مال و متاع آنے سے خوشی ہے اور نہ جانے سے غم۔ اللہ تعالے نے ان حضرات کو عالم میں تصرّفات کی قدرت عطا فرمائی اور یہ باذن الٰہی عالم میں تصرّف کرتے ہیں۔ یہ خدا کے فرماں بردار ہیں اور ساری خدائی ان کی فرماں بردار ہے۔ جیسا کہ ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصریؒ حج کے لیے کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ اس کشتی میں ایک تاجر بھی تھا۔ جس کے پاس موتیاں موجود تھے۔ اتفاقاً ایک موتی اس میں سے گم ہوگیا اور لوگ اسے تلاش کرنے لگے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں اس کشتی کے ایک گوشہ میں ایک شخص تھا جو صورتاً خستہ حال معلوم ہوتا تھا اور اُن کے جسم پر بوسیدہ کپڑے

(بقیہ 270 میں)

نورِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے تین لباس

خالد خان ویلوری ۔ متعلم زمرۂ خامسہ ۔ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ۔ ویلور

قد جاء کم من اللہ نور و کتٰب مبین

(آیت محکم) بے شک اللہ تعالےٰ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب آئی (آیت محکم ہے)

جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں نور سے مراد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے ۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! خدا نے سب سے پہلے کس کو پیدا فرمایا؟ جواب میں سرکار مدینہ صلعم نے ارشاد فرمایا: اے جابر اللہ نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو پیدا فرمایا ۔ اس آیتِ قرآنی اور حدیثِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اصل میں نور ہیں ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف لباس پہنے ۔ تفسیرِ روح البیان میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تین لباس ہیں:

پہلا لباس ، لباسِ حقی

دوسرا لباس : لباسِ ملکی

تیسرا لباس : لباسِ بشری

حضور اکرم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم نے لباسِ بشری اس لیے پہنا کہ لوگ آپ کے قریب ہوں ۔ لوگ آپ سے استفادہ حاصل کر سکیں ۔ آپ کا قرب حاصل کر سکے اور جو کچھ بھی روزمرّہ زندگی میں مصیبت در پیش ہو اس کا حل طلب کر سکے ۔

جنگ ہو یا امن ، صلح ہو یا اور کوئی شرعی مسئلہ ہر ایک کا حل حاصل ہو سکے ۔ اس کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لباسِ بشری پہنا اور قل انما انا بشر مثلکم کے تحت بشر کی ہدایت کے لیے بشر بن کر آئے اور مکمل تریسٹھ ۶۳ سال کی زندگی آپ نے صحابہ کے درمیان گذاری ۔ صحابہ نے آپ سے مکمل استفادہ حاصل کیا اور آپ کی سنّت پر عمل پیرا ہوئے یہاں تک حضور اکرم نورِ مجسم جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ رضی ستاروں کے مانند ہیں ، جو بھی ان کی

پیروی کی ہدایت پایا۔ سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا لباس ملکی تھا۔ یعنی فرشتوں کی سی عادتیں آپ میں پایا جانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

نبئ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صوم وصال سے منع فرمایا (صومِ وصال کہتے ہیں افطار و سحری کئے بغیر لگاتار روزے رکھنا) تو صحابہ نے پوچھا، یارسول اللہ! آپ بھی تو اس طرح روزہ رکھتے ہیں! تو جواب میں نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایکم مثلی یطعمنی ربی ویسقینی: تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ مجھے تو میرا رب کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں بشر ہونے کے باوجود تم جیسا بشر نہیں۔ لہٰذا مجھے تم جیسا بشر مت سمجھو۔

تیسرا لباس

لباسِ حقّی ہے۔ لباسِ حقی کو علمائے دین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے: لی مع اللہ وقت لا یستقینی فیہ ملک مقرب فلا نبی مرسل: ترجمہ: میرے لیے میرے رب کے ساتھ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہاں ملکِ مقرب کی گنجائش ہے اور نہ نبئ مرسل کی گنجائش ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشر بشر میں فرق ہے۔ ایک بشر تو وہ ہے جس کا کہا اس کا اپنا ہوتا ہے۔ ایک بشر وہ ہے کہ جس کا کہا اللہ کا کہا ہوتا ہے۔ چناں چہ مولانا ے روم نے مثنوی میں فرمایا ہے کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے مثل کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ محض لفظ کے اطلاق سے کیا ہو سکتا ہے بلا تشبیہ یوں سمجھئے کہ لفظِ حیوان کا اطلاق زید پر بھی ہوتا ہے اور بیل پر بھی۔ مگر آپ زید کو بیل جیسا حیوان نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ حیوانِ ناطق یعنی انسان ہے۔ مدرک کلیات ہے۔ انسان کا ایک چھوٹا سا بچّہ بھی دھواں اٹھتے دیکھ لے تو کہے گا کہ وہاں آگ لگ رہی ہے لیکن بیل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو پھر دعویداروں کا یہ دعوٰی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم جیسے ہیں ایک بشر ہیں قیاس مثلی ہے۔ نادانوں کا قیاس ہے۔ جیسے لفظ شَیر اور شِیر صورتاً تو ایک دوسرے کے مثل ہیں لیکن شَیر بمعنی مشہور درندہ کے ہے اور لفظ شِیر بمعنی دودھ ہے۔ بھلا بتلائیے کہ کیا مناسبت ہے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اب اگر کوئی نادان، دونوں کو ایک جیسا سمجھے تو یہ سمجھنا اس کا بیّن ثبوت ہو گا۔

یہی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تین لباس ہیں، جو آپ نے پہنا تاکہ تمام مخلوق آپ سے استفادہ حاصل کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کو کوئی بشر نہ جانتا اور نہ آپ سے استفادہ حاصل کرتا۔

آپ کے آنے سے حضرت ابوبکر صدیق

(بقیہ مضمون صفحہ نمبر 70 پر ہے)

قرآنِ کریم اور احادیث میں درود و سلام کا حکم

محمد نعمان باشاہ - متعلم بی یو ایم ایس؛ آنا یونانی میڈیکل کالج - چنئی

قرآن کریم سورۂ احزاب آیت ۵۶ میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ●

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسولؐ پہ اے ایمان والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

اس آیت سے ایک اور بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں یہ اعزاز صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا مطلب رحمت نازل فرمانا ہے اور فرشتوں اور مسلمانوں کا آپ پر درود بھیجنے کا مطلب ہے رحمت کی دعا کرنا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے:

قال أبو العالية صلاة الله ثناؤه عليه عند الملائكة وصلاة الملائكة الدعاء

یعنی حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا صلاۃ بھیجنا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرشتوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا بیان فرماتا ہے اور فرشتوں کی صلاۃ یہ ہے کہ وہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں یصلون کا مطلب ہے یبرکون یعنی برکت کی دعا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے والے پر اللہ تعالےٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من صلّى عليّ واحدة صلى الله عليه عشرا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

عن عبد اللہ بن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ عن أبیہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء ذات یوم والبشری فی وجھہ فقلنا انا لنری البشری فی وجھک فقال انہ أتانی الملک فقال یا محمد ان ربک یقول أما یرضیک أنہ لا یصلی علیک أحد إلا صلیت علیہ عشرًا ولا یسلم علیک أحد إلا سلمت علیہ عشرًا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابوطلحہ اپنے دادا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا۔ ہم نے عرض کیا: آج آپ کے چہرۂ مبارک پر مسرت کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا آپ کے لیے یہ بات خوشی کا باعث نہیں کہ آپ کا امتی جو آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں اور جو امتی ایک مرتبہ آپ کو سلام کہے میں اس کو دس مرتبہ سلام کہوں۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی مرۃ واحدۃ کتب اللہ عز وجل لہ بھا عشر حسنات۔

ترجمہ: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے حصے (نامۂ اعمال) میں دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

حدثنا انس ابن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی صلاۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات وخطئت عنہ عشر خطیئات ورفعت لہ عشر درجات۔

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو کوئی میرے اوپر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجیں گے دس گناہ معاف فرمائیں گے اور دس درجے بلند فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ میں (دعا کے لیے) بیٹھا تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجا پھر اپنے لئے دُعا کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (اس طرح) اللہ سے مانگو ضرور دیے جاؤ گے۔ (دوبارہ فرمایا) اللہ سے مانگو دیے جاؤ گے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہٗ

کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں اپنی دعا میں سے کتنا وقت درود کے لیے وقف کروں؟ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنا تو چاہے لیکن میں نے عرض کیا ایک چوتھائی صحیح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنا تو چاہے۔ لیکن اس سے زیادہ کرے تو تیرے لیے اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا: نصف وقت مقرر کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا تو چاہے۔ لیکن اگر اس سے زیادہ کرے تو تیرے لیے اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا: دو تہائی مقرر کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا تو چاہے۔ لیکن اگر زیادہ کرے تو تیرے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنی ساری دعا کا وقت درود کے لیے مقرر کرتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرے سارے دکھوں اور غموں کے لیے کافی ہوگا۔ اور تیرے گناہوں کی بخشش کا باعث ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رسوا ہوا وہ آدمی جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔ رسوا ہوا وہ آدمی جس نے رمضان کا پورا مہینہ پایا اور وہ اپنے گناہ نہ بخشوا سکا۔ رسوا ہوا وہ آدمی جس کے سامنے اس کے ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنّت میں داخل نہ ہوا۔

عن انس رضی اللہ عنہٗ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل دعاء محجوب حتی یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تک نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا جائے کوئی دعا قبول نہیں کی جاتی۔

مسلمانوں کے لیے درود سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں۔ اس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ بلائیں دور ہوتی ہیں۔ فتوحات نصیب ہوتی ہیں۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور آخرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت نصیب ہوتی ہے۔ اور جنّت میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم نشینی اور نزدیکی کی سعادت میسّر رہتی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کو درود شریف ہمیشہ پڑھنے کی ہدایت دے۔ آمین۔

★ حکیم سیّد محمود بخاری

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ ہندوستان جنّت نشان میں صوفیائے کرام و اولیائے عظّام کے مختلف خانوادوں نے تبلیغ و اصلاح اور تعلیم و تلقین کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جن میں قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، طبقاتی شطّاری وغیرہ سبھی سلسلے شامل ہیں۔

جنوبی ہند اور دکن میں خانوادۂ اقطاب رح ویلور اور شہ میری سلسلے کے تعلیمی و اصلاحی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ یہاں شہ میری خانوادہ کے مشہور بزرگ جامع دکن حضرت سیّد کمال اللہ ثانی بخاری (صاحب مخزن العرفان) کے چھوٹے صاحب زادے سید علی لامعؔ کا ذکر ہے جو ۱۲۰۹ھ محل ضلع چتّور میں پیدا ہوئے اور بارہ سال کی عمر ۱۲۲۱ھ میں ام المدارس مدرسۂ لطیفیہ، ویلور پہنچے اور فراغت سے ایک سال قبل ۱۲۲۷ھ میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے مسجد و مدرسۂ لطیفیہ کے سامنے گنبدِ حضرت قربی رح (جو ۱۱۸۲ھ) کے پائین دفن کئے گئے۔ خود کہا ہے: ؎

جب کہ کھویا ہو عمر بالہو و ہوس
عمر دنیا منے اٹھارہ برس!

حضرت لامعؔ تحصیل علمی کے ساتھ تصنیف و تالیف اور شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ چہل حدیث کا منظوم ترجمہ، ایک مثنوی اور متفرق منظومات دستیاب ہوئے ہیں۔ چہل حدیث کے سببِ تصنیف میں دکنی یا قدیم اردو کو آپ نے ہندی کہا ہے۔ ؎

فکر یک شب کیا میں دل کے بیچ
بالیقیں ہے یہ دنیا ہیچ اور پیچ
اس میں بہتر ہے کچھ ثواب کریں
نہ کہ چُپ زندگی خراب کریں
پس کہا میں چہل حدیث بیاں
ہندی سے گر کرے تو ہے احساں

آپ کا ایک مخمس جو زبان و بیان کی خوبی و صفائی، بھرپور لوازم شعری کے ساتھ تخیل کی بلند پروازی کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ شائقینِ اردو شاعری کے ذوق کی نذر ہے۔ اس دو سو سال پرانے شگفتہ مخمس کو پڑھ کر اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اردو اپنے وطن کی پیداوار، میٹھی اور رسیلی زبان ہے۔ جو کہنے سننے، پڑھنے لکھنے میں آسان ہے۔ اس میں فارسی، عربی، ترکی، ہندی، سنسکرت اور مقامی زبانوں

کے الفاظ اس طرح داخل وشامل اور گھل مل گئے ہیں جیسے ہندوستان میں مختلف ملکوں اور تہذیب و تمدّن کے لوگ اپنے اپنے مذہب وعقیدے اور طور و طریقوں کے ساتھ رہتے بستے آرہے ہیں اور یہ رنگارنگی ہی ہندوستان کی پہچان بنی رہی ہے۔ اردو کے مخالفین ذرا وسیع النظری اور وسعتِ قلبی سے کام لیں۔ تو ہندوستان جو ماضی قریب میں "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" تھا آج بھی جنّت نشاں بن سکتا ہے۔

مخمّس

سیرِ گلشن کے تئیں اہلِ ہوا جاتے ہیں
کوہ و صحرا کی طرف آبلہ پا جاتے ہیں
کوچۂ یار میں اربابِ وفا جاتے ہیں
یعنے جس راہ میں مردانِ خدا جاتے ہیں
ہم بھی لے قافلۂ سالارِ صبا جاتے ہیں

ہے کوئی شائقِ مال اور کوئی مشتاقِ جمال
کوئی رکھتا ہے تمنائے عیال و اطفال
ہے کسے خواہشِ دولت کوئی چاہے اقبال
ہم کو تقدیر کیا عشق کے پابندِ خیال!
ایسی باتوں ستی ہم ہاتھ اٹھا جاتے ہیں

راہ گم کردہ نہ پہچانے حرم اور کنشت
الغرض ہم کو نہیں سوجھی ہے کبھی خوب و زشت
دلِ حیرت زدہ چہتا ہے نہ دوزخ نہ بہشت
اختیار اس کے سے مجبور ہے اے پاک سرشت
دلِ آشفتہ جدھر لے کے چلا جاتے ہیں

جو منازل نہ کیا طے مہِ انور نہ ہوا
کون سا آبلہ پا ہے خوش اختر نہ ہوا
غیر فرسودہ قدم صاحبِ افسر نہ ہوا
گھر سے باہر جو نہ نکلا سو ہنرور نہ ہوا
در بدر اس لیے ہم مثلِ گدا جاتے ہیں!

گرچہ بلبل کے تئیں رنجِ خس و خار نہیں
آشیانے میں یہ نظارۂ گل زار نہیں
وہی آزاد وطن کا جو گرفتار نہیں
کوئی کنعان میں یوسف کا خریدار نہیں
اس سبب بارِ سفر ہم اٹھا جاتے ہیں

جو کہ احساں کیا ہم پہ رہے نت آباد
حق تعالےٰ رکھے کو نہیں ہیں اس کو دل شاد
خوبیٔ عیش و فرح سے رہے سروِ آزاد
ہم کو ارشاد یہی اپنے ہے استاد کا یاد
اس کو کرتے ہوئے ہر وقت دعا جاتے ہیں

اس کو جو کوئی ہمیں کرتا ہے خفا خوش رکھے
ہم کو جو شخص کہ غمگین رکھا خوش رکھے
ہم سے آزاد جو ہے اس کو خدا خوش رکھے
خوش رکھے اس کو خدا ہم کو جو ناخوش رکھے

اپنے بدخواہ کا چہتے ہیں بھلا جاتے ہیں

دشمن و دوست سے ہرگز نہیں رکھتے ہیں خلاف
ہم سے تقصیر جو کچھ ہوئی تو سب کریے معاف
نوعِ دیگر نہ رکھو دل میں اے اہلِ انصاف
بالیقیں ہم نے کیا زنگِ کدورت کو صاف

دل کا آئینہ اگر تنک ہے بتا جاتے ہیں

ہے بڑوں کو تو مری بندگی چھوٹوں کو سلام
سب کی خدمت میں یہی عرض مری نام بنام
بخش دو ہم سے ہوا ہے تو خطا کا کچھ کام
ہم کو مت بھولو دعا سے کبھی للّٰلہ مدام

سب کی ہم یاد میں ہر صبح ومسا جاتے ہیں

ہو گئے عشق میں جس شوخ کے ہم دل سے فدا
اس سے کر دیو مری عرض کا مضمون ادا
درد لم بود کہ ہرگز نہ شوم از تو جدا
چہ کنم چارہ نہ دارم کہ خدا کرد جدا

یہی بولو کہ لے جاتے ہیں خدا جاتے ہیں

چھوڑ تنہا تجھے ہم جو لگے جانے لامع
اشکِ خونیں لگے آنکھوں سے بہانے لامع
دردِ دوری کو یہ خاطر سے بھلانے لامع
اپنا احوال تجھے یاد دلانے لامع

ہم یہ تازہ مخمس تو بنا جاتے ہیں

ارمغانِ نعت

سلطان العارفین شمس المفسرین علامہ سید شاہ محمد عمر آمر کلیمی حسنی الحسینی چشتی القادری نوری

کسے بولوں کہ حالت کیا بنی ہے یارسول اللہ
ہر اک ساعت مری اب کچھ نئی ہے یارسول اللہ

کسی سے بات کرنا کیا کسی کے ساتھ رہنا کیا
تمہیں سے رات دن اب لو لگی ہے یارسول اللہ

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں آپؐ کو ہر سمت عالم میں
مری اب ٹکٹکی یوں ہی بندھی ہے یارسول اللہ

سکونِ دل کہیں بھی آج تک پایا نہیں میں نے
ادائے خلق اب تو دیکھ لی ہے یارسول اللہ

جہاں سے ہاتھ ہاتھ دھو کر گزاری رات رو رو کر
عجب درد و الم ہے بے کلی ہے یارسول اللہ

ملے جس کو ہو تمؐ اس کو یقیناً مل گیا سب کچھ
خدا اور خلق ساری مل گئی ہے یارسول اللہ

بلا لو سوئے طیبہ اب کہاں تک ہند میں ٹھہروں
مدینہ علم کا تمؐ، درِ علیؓ ہے یارسول اللہ

خدا نے مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ جب ہے فرمایا
خدا کا فعل خود فعلِ نبیؐ ہے یارسول اللہ

یَدُ اللہ کو خدا نے خود کہا ہے فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ
خدا کا ہاتھ ہی دستِ نبیؐ ہے یارسول اللہ

جہاں تک یہ خدائی ہے وہاں تک مصطفائی ہے
جدھر دیکھوں خدا ہے اور نبیؐ ہے یارسول اللہ

مرے نوری پیا آمر تو تجھ میں حق کو پاتا ہے
نبیؐ ہے اور علیؓ ہے اور ولی ہے یارسول اللہ
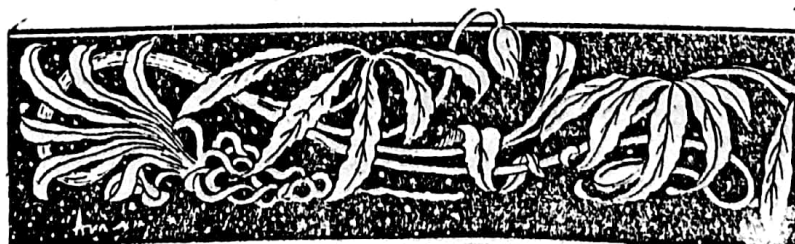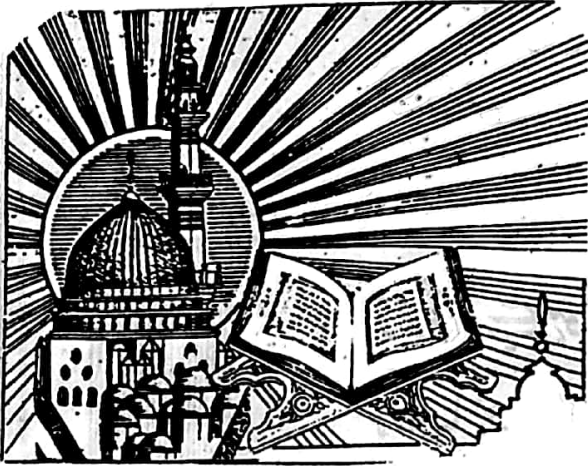
❁ نعت شریف

★ ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی

عشقِ رسولؐ ہو نہ تو جینا فضول ہے — جینا اسی کا ہے جسے عشقِ رسولؐ ہے

روشن ہیں مہر و ماہ ضیائے رسولؐ سے — یہ کہکشاں بھی نعلِ مبارک کی دھول ہے

انسانیت کی جس سے ہے دارین میں فلاح — وہ اسوۂ مبارکِ ذاتِ رسول ہے

کیا پوچھتے ہو کیا ہے چمن اہلِ بیتؓ کا — اس باغ کا جو پھول ہے جنّت کا پھول ہے

مومن نے حق کو دیکھا جو دیکھا رسولؐ کو — دیدارِ حق جہاں میں دیدِ رسول ہے

حسرت ہے پھر میں دیکھ لوں حضرتؐ کو خواب میں — محرومِ دید ہوں میں تو خاطر ملول ہے

غالب جہاں میں دورِ جہالت ہوا ہے پھر — انصاف ہے نہ عدل کا کوئی اصول ہے

اب بھی ہے راہِ صلح و سلامت کھلی ہوی — لیکن ستم گروں کو کہاں یہ قبول ہے

دنیا کو دے دے عدل و مساوات کا سبق — ایسا کوئی فدائے اصولِ رسول ہے

اعمال معتبر ہیں جو ایمان ہو معتبر — ایمان معتبر ہے جو حُبِّ رسول ہے

اشرف کو ہے نبیؐ کی شفاعت کا آسرا
اعمال پر بھروسہ تو بندے کی بھول ہے

• علیم صبا نویدی

نعت شریف

زندگی جب سے ہوی ہے آشنائے مصطفےٰ
ہو گیا ہوں میں سراپا اک گدائے مصطفےٰ

میری اپنی پتلیاں ان پتلیوں میں ڈوب جائیں
زیرِ لب جن پتلیوں میں مسکرائے مصطفےٰ

تیرگی کی بھیڑ سے باہر نکلنا ہے مجھے
میرے آگے ضوفشاں ہے نقشِ پائے مصطفےٰ

دوسرے سایہ کو کیا دیتی جگہ اپنی جگہ!
یہ زمیں سایہ بنی تھی زیرِ پائے مصطفےٰ

اک نہ اک طوفان سے ہر روز اک مڈبھیڑ ہے
تھامنے کو اپنا دامن روز آئے مصطفےٰ

کس کی خاطر عالمِ امکاں کا ہے یہ اہتمام
ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہے برائے مصطفےٰ

مسجد و منبر میں اس کو قید کیوں کرتے ہیں لوگ
گونجتی ہے دونوں عالم میں صدائے مصطفےٰ

بعدِ رحمت بھی صبا کو آپ سے امید ہے
کون ہوگا حشر میں اپنا سوائے مصطفےٰ
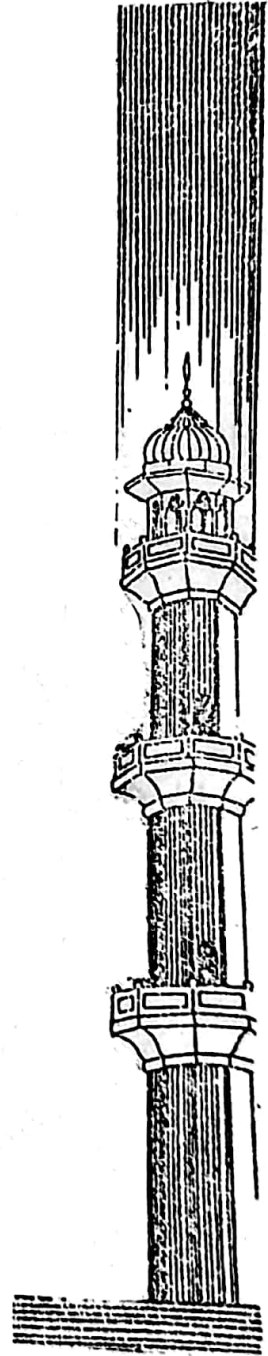
• پیش کش : ڈاکٹر محمد علی - ایم اے، پی ایچ ڈی - ویلور

نعت

سیّد سراج الدین منیر

صاحبِ سیف و علم — حاملِ لوح و قلم
پیکرِ حُسنِ اَتم — مظہرِ ذاتِ قِدم
سیّدِ عرب و عجم — پیکرِ نوری شیم
نورِ قندیلِ حرم — منبعِ جُود و کرم
زینتِ کون و مکاں — رونقِ بزمِ جہاں
مقصدِ بُود و عدم — وجہِ بنائے آدم
نُور سے تیرے جہاں — عالمِ کون و مکاں
زندگی تیرا کرم — تجھ سے حیاتِ عالم
مہر و خورشید کہاں — ھُو کا عالم تھا یہاں
تجھ سے پہلے تو صنم — دونوں عالم تھے عدم
تُو نہ تھا کچھ بھی نہ تھا — تیرے ہونے سے ہُوا
عالمِ بُود و عدم — اے شہنشاہِ اُمم
تجھ سے تابندہ سحر — نجم و خورشید و قمر

ہے رگِ تاک بیں خم — تیرے جلوے کی قسم
اے شہِ ہر دو سرا — کس کو یہ رُتبہ ملا
عرش تھا زیرِ قدم — یہ ترا جاہ و حشم
محرمِ رازِ خُدا — کون تھا تیرے سوا
اَحد احمد تھے بہم — شبِ اسریٰ کی قسم
فکر کی حدِ نظر — تابعِ عِلم و خبر
یہ جنوں کا تھا کرم — مِل گئے تیرے قدم
مئے عرفانِ خودی — ایک جُرعہ ہی سہی
ساقیا چشمِ کرم — تیرے میخوار ہیں ہم
مُردہ دِل مُردہ ضمیر — فرقتِ شہ میں مُنیر
زندگی پیکرِ غم — کُشتۂ رنج و الم

پیشکش :- سیّد علی احمد قادری کلیم

پیش کش: ایس، اے، ایل۔ قادری

تُو نے جس وقت یہ انسان بنایا یارب
اُس گھڑی مجھ کو اک آنکھ نہ بھایا یارب
اِس لیے میں نے سر اپنا نہ جھکایا یارب
لیکن اب پلٹی ہے کچھ ایسی ہی کایا یارب
عقل مندی ہے اسی میں کہ میں توبہ کرلوں!
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

ابتدا تھی بہت نرم طبیعت اس کی
قلب و جاں پاک تھے شفّاف تھی طینت اس کی
پھر بتدریج بدلنے لگی خصلت اس کی
اب تو خود مجھ پہ مسلّط ہے شرارت اس کی
اِس سے پہلے کہ میں اپنا ہی تماشا کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

بھر دیا تو نے بھلا کون سا فتنہ اِس میں
پکتا رہتا ہے ہمیشہ کوئی لاوا اِس میں
ایک اک سانس ہے اب صورتِ شعلہ اِس میں
آگ موجود تھی کیا مجھ سے زیادہ اِس میں
اپنا آتش کدۂ ذات ہی ٹھنڈا کرلوں!
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

اب تو یہ خون کے بھی رشتوں سے اکڑ جاتا ہے
باپ سے، بھائی سے، بیٹے سے بھی لڑ جاتا ہے
جب کبھی طیش میں ہتّھے سے اُکھڑ جاتا ہے
خود مرے شر کا توازن بھی بگڑ جاتا ہے
اب تو لازم ہے کہ میں خود کو ہی سیدھا کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

میری نظروں میں تو بس مٹی کا مادھو تھا بشر
میں سمجھتا تھا اسے خود سے بہت ہی کمتر
مجھ پہ پہلے نہ کھلے اِس کے سیاسی جوہر
کان میرے بھی کترتا ہے یہ قائد بن کر
شیطنت چھوڑ کے میں بھی یہی دھندا کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

کچھ جھجکتا ہے نہ ڈرتا ہے نہ شرماتا ہے!
نت نئی فتنہ گری روز ہی دکھلاتا ہے
اب یہ ظالم مرے بہکاوے میں کب آتا ہے
میں بُرا سوچتا رہتا ہوں یہ کر جاتا ہے
کیا ابھی اِس کی مُریدی کا ارادہ کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

اب جگہ کوئی نہیں میرے لیے دھرتی پر
میرے شر سے بھی سوا ہے یہاں انساں کا سر
اب تو لگتا ہے یہی فیصلہ مجھ کو بہتر
اس سے پہلے کہ پہنچ جائے وہاں سوپر پاور
میں کسی اور ہی سیّارہ پہ قبضہ کرلوں!
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

ظلم کے دام بچھائے ہیں نرالے اس نے
نت نئے پیچ مذاہب میں بھی ڈالے اس نے
کردیے قید اندھیروں میں اجالے اس نے
کام جتنے تھے مرے سارے سنبھالے اس نے
اب تو میں خود کو ہر اک بوجھ سے ہلکا کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

استقامت تھی کبھی اس کی مصیبت مجھ کو
اپنے ڈھب پر اسے لانا تھا قیامت مجھ کو
کرنی پڑتی تھی بہت اس پہ مشقّت مجھ کو
اب یہ عالم ہے کہ دن رات ہے فرصت مجھ کو
اب کہیں گوشہ نشینی میں گزارہ کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

مست تھا میں ترے آدم کو حقارت کرکے
خود پہ نازاں تھا بہت تجھ سے بغاوت کرکے
کیا ملا مجھ کو مگر ایسی حماقت کرکے
کیا یہ ممکن ہے کہ پھر تیری اطاعت کرکے
اپنے کھوئے ہوئے رتبہ کی تمنّا کرلوں
سوچتا ہوں کہ اب انسان کو سجدہ کرلوں

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

غزل

حضرت سید شاہ
معین الدین حسینی المعروف بہ
شاہ خاموش

جفا و جور کیا یا وفا ہوا سو ہوا
ہوا میں راضی جو اوس کی رضا ہوا سو ہوا

بھلا ہوا سو ہوا برا ہوا سو ہوا
طرف سے یار کے جو کچھ ہوا سو ہوا

میں چھوڑ تجھ کو اے صاحب مرے کہاں جاؤں
ازل سے بندہ ترا ہوگیا ہوا سو ہوا

قریب مجھ سے ہے پھر کیوں نظر سے غائب ہے
جمال اپنا تو مجھ کو دکھا ہوا سو ہوا

معاف کردے خطا دل ہے بے قرار مرا
کبھی تو سینے سے اپنے لگا ہوا سو ہوا

میں دیکھ زلف کو ہوں کفر کی ضلالت میں
دکھا کے منہ کو مسلماں بنا ہوا سو ہوا

مدد کسی سے تو پھر چاہتا ہے کیا خاموش
وسیلہ ترا علی مرتضیٰ ہوا سو ہوا

پیشکش :- محمد حنیف متعلم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ۔ ویلور
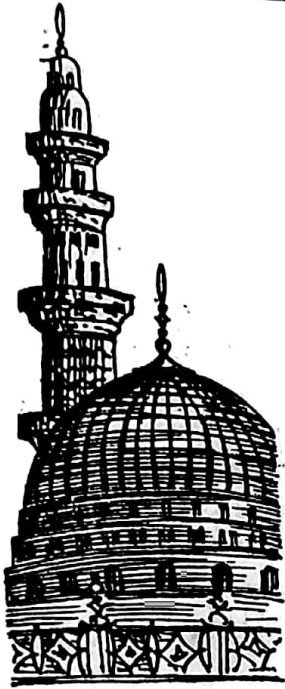
سلام بہ رسولِ نامؐ

نثار بھارتی مرحوم

سلام اس پر کہ جو آئینۂ انوارِ یزداں ہے
سلام اس پر کہ جو جانِ صفاتِ ذات پنہاں ہے
سلام اس پر کہ جو خرحِ آ تا ہے صورتِ اَنتَ
سلام اس پر کہ جس کا حسن آپ اپنے پہ حیراں ہے
سلام اس پر کہ جس کی راہ لا ہے اور منزل ھُوَ
نفس ہر ایک جس کا فرش سے تا عرش جولاں ہے
سلام اس پہ جو حسنِ خود نگر کا دل ہے دھڑکن ہے
تمام ارداح کے ماتھے پہ سجدہ جس کا پنہاں ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات اول بھی ہے آخر بھی
ازل کی صبح کا پیغام شام محشرستاں ہے
سلام اس پہ کہ جو اک محملِ حسنِ دو عالم ہے
حریمِ ناز کا پردہ نقابِ روئے جاناں ہے
سلام اس پہ جسے اک کائناتی گلستاں کہیے
نمایاں جس کے ہر ذرّہ سے خود جانِ گلستاں ہے
سلام اس پہ جو ہے وجدان کی آنکھوں کی بنیاد ہے
مکان و لامکاں کا عقدہ ہر اک جس پہ آساں ہے

سلام اس پہ کہ جس گرمِ بازارِ دو عالم ہے
مقام وقت کی تعبیر ہی جس کی رگِ جاں ہے
سلام اس پہ جبینِ انبیاءؑ میں جو رہا پنہاں
بشکلِ عالمِ ایجاد محشر تک نمایاں ہے
سلام اس پہ کہ جس میں تکملہ ہے آدمیّت کا
نبوت کا چراغ ضوفشاں ہے فخرِ انساں ہے
سلام اس پہ براھیمیؑ دعا کا جو اثر ٹھہرا
سراپا رحمۃٌ للعالمینؐ ہے نازِ دوراں ہے
سلام اس پر کہ وہ جو جنّتیوں کی ایک جنّت ہے
چراغِ خوابگاہ حُسنِ معنیٰ شمعِ فاراں ہے
سلام اس پہ یکتا جس کی صورت بھی سیرت بھی
لبِ معجز نما کی ایک اک جنبش بھی قرآں ہے
سلام اس پہ مری ہستی پہ جس کی چشمِ رحمت ہے
نثار اک اک ادا پہ جس کی گنجِ جان و ایماں ہے

دارالعلوم لطیفیہ کا ایک منظر

دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور